اقبال اور ممنون

ڈاکٹر اخلاق اثر

اقبال اور ممنون

طبع دوم مع اضافہ

ڈاکٹر اخلاق اثر

طارق پبلیکیشنز۔ صادق منزل چوکی امام باڑہ بھوپال (مدھیہ پردیش)

مصنف کی دیگر تصانیف

اقبال اور شیش محل (۱۹۷۷ء) اقبال نامے (۱۹۸۱ء) مکاتیب
احتشام (۱۹۷۷ء) ملاقات (۱۹۷۹ء) اردو کی پہلی کتاب (چودہ ایڈیشن)
احتشام حسین ایک مطالعہ (۱۹۸۸ء) اقبال اور ممنون ۱۹۸۳ء
ریڈیو ڈرامے کی تاریخ (۱۹۷۵ء) اردو ڈرامے کا مطالعہ (۱۹۷۷ء)
اردو کا پہلا ڈراما (۱۹۷۸ء) ریڈیو ڈرامے کا فن (۱۹۷۷ء) ریڈیو ڈرامے کی اصناف ۱۹۸۰ء
نشریات اور آل انڈیا ریڈیو (۱۹۸۲ء)

سلسلہ مطبوعات طارق پبلیکیشنز ۱۳

اقبال اور ممنون طبع ثانی	مئی ۱۹۹۱ء
تعداد	۲۲۵
کتابت	کفیل احمد بھوپال وطاہر ناگپور
ناشر	ناصر اخلاق
طابع	رضوی پریس، بھوپال
قیمت	۱۰۰ روپئے

جملہ حقوق محفوظ

ناصر اخلاق نے طارق پبلیکیشنز صادق منزل بچوں کی امام باڑہ بھوپال سے شائع کی۔

استاذی پروفیسر گیان چند صاحب نے اپنے کم حیثیت طالب علم کو کبھی اور کسی زمانے میں نظر انداز نہیں کیا۔ ہر صبر آزما لمحہ میں ان کا شفیق سایہ میرے سر پر موجود رہا۔ ادبی زندگی میں مقام کے تعین کی ہر کشمکش میں ان کی حوصلہ افزائی میرے ساتھ ساتھ رہی۔ "آپ سی تعریف" کے دور میں میری تصنیف پر معروضی تبصرہ کر کے میرا مقام سمجھنے میں میری مدد فرمائی۔ علمی و ادبی کاموں کے لئے وہ مواقع عنایت کئے جن کے لیے میں برسوں سے ترس رہا تھا۔ جب کبھی میں نے ان کا شکریہ ادا کیا تو انھوں نے فرمایا "نہیں نہیں میں نے تمہارے لیے کچھ نہیں کیا۔ تمہیں جو کچھ ملا وہ تمہاری صلاحیت کی بنیاد پر ملا۔"

میں اپنی اس تصنیف کو ان کے نام نامی سے منسوب کرتا ہوں۔

غیر مطبوعہ مکتوب اقبال بنام ممنون حسن خاں

لاہور

۱۵ اگست ۱۹۳۷ء

ڈیئر ممنون حسن خاں! آپ کا خط ملا جس سے مفصل حالات مرحوم کی بیماری کے معلوم ہوئے۔ آپ نے جو دوا کے ساتھ ہی لکھا ہے [illegible] والدہ [illegible] کا [illegible] بھی [illegible] سے معلوم ہوا کہ مرحوم کو [illegible] کا عارضہ [illegible] سے واقع ہوا ہے۔ [illegible] اور نقرس کا بیان ہے۔ ہندوستان میں اس کا علاج ہونا مشکل ہے لیکن اس خیال سے کہ شاید کسی اور [illegible] میں آپ کو اس کا [illegible] ہو [illegible] تو آپ [illegible] سے معلوم ہو گا۔ لکھتا ہوں مریض کو [illegible] سیدھا لٹا دیتے ہیں۔ [illegible] کو [illegible] حرکت کرنے کی اجازت نہیں دیتے کھانے کو بھی کچھ نہیں دیتے۔ صرف [illegible] پانی ملا کے پلایا جاتا ہے۔ بسا اوقات اس پانی کے [illegible] گلوکوز استعمال کرنے سے مریض کا [illegible] ہو جاتا ہے۔ مشرقی افریقہ میں [illegible] اس بیماری کا [illegible] کیا جاتا تھا۔ اور [illegible] کامیاب رہا تھا۔ افسوس ہے کہ ڈاکٹر اس علاج پر تجربہ نہیں کرتے۔ اور بالعموم اپنے سائنٹیفک علاج میں [illegible] رہتے ہیں۔ بہرحال اب جو ہونا تھا ہو رہا۔ مرحوم کے دوستوں کا [illegible] اور [illegible] کے ساتھ [illegible] کرنے [illegible] ہو جانا چاہئے۔ اس غرض کے لئے میں آپ سے چند باتیں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ اگر ان سوالوں کا جواب آپ کو علم ہو تو لکھ بھیجئے [illegible] تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں [illegible] confidential تصور کیجئے۔

(۱) مجھے معلوم ہے۔ مرحوم کو آپ پر بڑا اعتماد تھا۔ اور خاص کر [illegible] آپ سے [illegible] تھی۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا انہوں نے موت سے پہلے کوئی وصیت کی۔ یا کسی اور [illegible] سے اپنی بیوہ اور بچوں کی [illegible] promise [illegible] کیا۔ ان کی [illegible] آپ کے علم میں کیا حال ہے۔ [illegible] اخراجات بہت تھے جس سے مجھے [illegible] ہوتا ہے۔ [illegible] بیوہ اور بچوں [illegible] promise [illegible]

(۲) [illegible] کے متعلق [illegible] مجھے معلوم ہوا تھا۔ کہ مرحوم کا بڑا بیٹا [illegible] میں ہے۔ [illegible] تو اب [illegible] خدمت کر سکتا۔

(۳) میرا خیال ہے۔ کہ [illegible] اور ان کے والد [illegible] کے بڑا [illegible] ہو گئے ہوں گے۔ مجھ کو معلوم نہیں [illegible] اس کی وجہ کیا ہے۔

ان سوالوں کا جواب مجھے جلدی دیجئے۔ ان کے [illegible] استفار [illegible] لکھ بھیجوں گا۔ اور [illegible] پر چند اشعار لکھ رہا ہوں۔ جو [illegible] شائع ہوں گے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے ہی شائع ہو جائیں۔ والسلام

محمد اقبال

ترتیب

دیباچہ طبع ثانی	۴
دیباچہ طبع اول	۷
دارالاقبال بھوپال اور اقبال	۱۰
اقبال اور ممنون	۱۷
بھوپال میں اقبال کی شاعری کا پس منظر	۱۱۱
اقبال کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ مکاتیب	۱۴۷
بھوپال میں اقبال کے چند نیازمند	۱۵۵
عکوس مکاتیب اقبال بنام راس مسعود	۱۶۴
غیر مطبوعہ مکاتیب بنام ممنون حسن خاں	۱۶۵
اقبال	۱۶۶
جاوید اقبال	۱۶۷
کاتب اقبال محمد شفیع	۱۶۸
علیاحضرت میمونہ سلطان	۱۷۰
راس مسعود	۱۷۱
امۃ المسعود	۱۷۳
انور مسعود۔ حنیفہ بیگم آبرو	۱۷۵
اخلاق اثر	۱۷۸
غیر مطبوعہ مکاتیب ممنون حسن خاں بنام عبدالحلیم انصاری۔ اخلاق اثر	۱۷۹
راس مسعود کے تابوت کی لکڑی سے متعلق خط اور رسید	۱۸۴
مبارکباد بموقع سال نو اور عیدالفطر	۱۸۸
تصویریں	۱۸۹

دیباچہ طبع ثانی

"اقبال اور ممنون" طبع ثانی میں بہت سا غیر مطبوعہ مواد شامل ہو رہا ہے. اس کی سب سے بڑی خوبی علامہ اقبال کا خفیہ غیر مطبوعہ مکتوب مورخہ ۵ اگست ۱۹۳۷ء بنام جناب ممنون حسن خاں ہے جس میں انھوں نے سر راس مسعود کے افراد خانہ کے بارے میں خاموشی سے معلومات حاصل کی تھیں. اس مکتوب سے اقبال اور راس مسعود کے قلبی تعلق کے ساتھ ساتھ اقبال اور راس مسعود کے اس اعتماد کا اندازہ بھی ہوتا ہے جو جناب ممنون حسن خاں پر کرتے تھے. ہندوستان کے نوابین میں نواب حمید اللہ خاں ممتاز حیثیت رکھتے تھے اس کے باوجود اقبال کے مقابلے میں ان کی حیثیت ثانوی تھی. اسی اقبال نے اپنے قلم سے "ممنون صاحب" لکھا تھا. جس کے حصے میں قدرت نے خوش نصیبی لکھ دی ہو اس کا کسی سے کیا مقابلہ اور موازنہ.

جناب عبدالحلیم انصاری کی یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ سر راس مسعود کے انتقال کے وقت انور مسعود بھوپال ہی میں تھے عبدالحلیم انصاری راس مسعود کی تیمارداری میں شب و روز مصروف رہے. دبی زبان سے انھوں نے راس مسعود کے افراد خانہ کی شکایت کی تھی جس پر راس مسعود نے ان سے صبر کرنے کو کہا تھا. راس مسعود کے انتقال کے بعد انصاری مرحوم نے ریاض منزل جانا ترک کر دیا تھا. جناب ممنون حسن خاں نے اپنے مکتوب مورخہ ۷ اکتوبر ۱۹۳۷ء میں دریافت کیا تھا "اب تم ریاض منزل کیوں نہیں جاتے".

"اقبال اور ممنون" اور "اقبال نامے" بنام جناب ممنون حسن خاں کی تاریخ پیدائش درج نہیں تھی۔ سرکاری ریکارڈ میں ان کی تاریخ پیدائش ۱۳ مئی ۱۹۱۰ء درج ہے جب کہ جناب سید مظفر حسین برنی کی تحقیق کے مطابق ۱۱ نومبر ۱۹۱۰ء ہے۔ اقبال کی زندگی کے آخری سالوں سے متعلق مواد محفوظ کر کے جناب ممنون حسن خاں نے اہم خدمات انجام دی ہیں۔ مجھے دل کھول کر ان خدمات کا اعتراف کرنے سے سربلندی محسوس ہوتی ہے۔ کل ہند اقبال ادبی مرکز نے اقبال سیمناروں کا انعقاد کیا، اردو اور ہندی میں اقبال کی نظموں کے ایک انتخاب کے علاوہ ایک اور مجموعہ مضامین شایع فرمایا ہے ـــ کلام اقبال کے مطالعے کے علاوہ مشاہیر ادب سے مراسلت ممنون حسن کا محبوب مشغلہ ہے۔ بلاشبہ اقبال ادبی مرکز وہ کام نہیں کر سکا جس کی اس سے توقعات تھیں۔ جب ان کے اس پاس صرف ذہن سے خالی جسم ہوں تو وہ کیا کر سکتے ہیں؟

طبع ثانی میں حنیفہ بیگم آبرو کا مکتوب بنام جناب ممنون حسن خاں شامل ہے۔ عزیزہ شائستہ خاں نے اپنے مضمون "مولانا آزاد کی دو بہنیں" مطبوعہ قومی آواز مورخہ ۴ مارچ ۱۹۹۰ء میں آبرو بیگم کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ ان کی پیدائش ۱۲۹۹ھ (۱۸۸۱-۸۲ء) میں ہوئی، پہلے کلکتہ کے احمد ابراہیم سے اور اس کے بعد واجد علی خاں سے ان کی شادی ہوئی۔ بھوپال ہی میں جون ۱۹۴۳ء میں ان کا انتقال ہوا۔ وہ عمر میں آزاد سے بڑی تھیں اس کے باوجود ابوالکلام آزاد کو بھائی کہتی تھیں۔

"اقبال نامے" کا دوسرا ایڈیشن شایع ہو گیا ہے جس میں بھوپال اور اندور سے متعلق اقبال کے چھتیس مکاتیب شامل ہیں۔ اس میں غیر مطبوعہ عکوس مکاتیب اقبال کے علاوہ اقبال نامہ مرتبہ شیخ عطاء اللہ کے تحریف شدہ اوراق اور غیر تحریف شدہ اوراق کے عکوس بھی شایع کیے گئے ہیں۔ دیباچہ طبع ثانی میں اقبالیات کے اہم مباحث پر بھی اظہار خیال کیا گیا ہے۔

بھوپال میں اقبال کے نیازمندوں میں سے سید علی حسین مرحوم کا انتقال ۱۸ مارچ ۱۹۸۹ء کو بھوپال میں ہوا تھا۔ مولانا سید عابد علی وجدی الحسینی کا حیدرآباد میں جلسہ سیرت کو خطاب کرنے کے بعد بھوپال واپس آتے ہوئے ریل میں اٹارسی کے پاس ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو وصال ہوگیا۔ مرحوم ان دنوں بھوپال میں دینی مدارس کی درسیات اور نصاب پر مقالہ تیار فرما رہے تھے۔ وجدی مرحوم کے انتقال کے بعد اہل بھوپال نے ان کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ ان کو مختلف مذاہب اور سیاسی نظریات رکھنے والوں کی محبت وعقیدت حاصل تھی۔

پروفیسر رفیع الدین ہاشمی نے وجدی مرحوم کے بیان کردہ ان واقعات پر شک کا اظہار فرمایا تھا جن کا تعلق آرنلڈ اور برٹش میوزیم لائبریری سے تھا۔ جب میں نے مرحوم سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا کہ "وہ باتیں میرے طالب علمی کے دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ مجھ سے سہو ہوگیا ہو۔"

مکاتیب ممنون بنام عبدالحلیم انصاری اور اخلاق اثر کے مطالعہ سے ممنون صاحب کی تہذیب وشرافت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مکتوب اقبال کی اشاعت میں ممنون صاحب کے تعاون کے لئے ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

۲۳ مئی ۱۹۹۱ء

مہمان خانہ   اخلاق اثر

نیشنل انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی

حرفِ اوّلیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

علامہ اقبال ۸/اپریل ۱۹۳۶ء کو آخری بار بھوپال سے ضرور تشریف لے گئے۔ مگر انھوں نے آخری دم تک بھوپال سے اپنا رابطہ قائم رکھا۔ ان کا آخری مکتوب بھی جناب ممنون حسن خاں کے نام تھا۔ علامہ کی وفات کے بعد بھوپال کے پرستارانِ اقبال نے اپنے محبوب شاعر کی یاد محفوظ رکھی یہاں اقبال کے شیدائیوں کی تعداد محدود نہیں ہے۔ اور جناب ممنون حسن خاں ان میں سرفہرست ہیں۔

جناب ممنون حسن خاں کی عرصہ دراز سے خواہش تھی کہ "شیش محل" میں "اقبال یادگار" قائم کی جائے اور شیش محل سے ملحق کھرنی والے میدان کو اقبال میدان کے نام سے موسوم کیا جائے۔ اس خواہش کے لئے وہ برابر سرگرم رہے۔ اپنوں اور غیروں کے چکر لگائے اکثر ناکام ہوئے مگر ناامید نہیں ہوئے۔

۱۲/مارچ ۱۹۸۲ء کا دن بھوپال اور دنیا بھر میں پھیلے اقبال کے کروڑوں شیدائیوں کیلئے بہت مبارک دن تھا۔ اس لیے نہیں کہ اس دن شہر کی مقتدر ادبی انجمن "حلقہ ارباب ادب" کے ایک جلسہ میں میری تالیف "اقبال نامے" کی رسم اجرا ہندوستان کے سب سے بڑے صوبہ مدھیہ پردیش کے وزیر اعلیٰ عالی جناب ارجن سنگھ ادا کرنے والے تھے۔ اور نہ اس لئے کہ اس جلسے کی صدارت بھوپال کے ہردلعزیز سیاسی رہنما جناب عزیز قریشی چیرمین فشریز کارپوریشن فرمانے والے تھے بلکہ اس لیے کہ اس جلسہ سے قبل جناب عزیز قریشی نے

جناب ممنون حسن خاں کی درخواست پر پر زور شفارش کر کے وزیر اعلیٰ سے احکامات حاصل کر لیے تھے کہ کھرنی والا میدان کو اقبال میدان کا نام دیا جائے گا اور یہ کہ "اقبال نامے" کے مصارف حکومت مدھیہ پردیش برداشت کرے گی۔ ساتھ ہی وزیر اعلیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ شیش محل میں اقبال یادگار کے قیام کے مطالبہ پر ہمدردی سے غور کیا جائے گا۔ جب رسم اجراء کے جلسہ میں جناب عزیز قریشی نے اعلان فرمایا تو وہاں موجود سرکردہ وزراء، مذہبی و سیاسی رہنماؤں، دانشوروں، ادیبوں اور شاعروں نے پر زور تالیوں سے اپنی خوشی ظاہر کی۔ ہندوستان کے چوٹی کے اردو انگریزی اور ہندی کے اخباروں نے اس خبر کو شاہ سرخیوں سے شایع کرنے کے ساتھ ساتھ اداریوں اور خاص مضمونوں سے حکومت کے اس فیصلہ کی تعریف کی۔ آجکل کھرنی والا میدان اقبال میدان کے شایان شان آراستہ کیا جا رہا ہے اور اقبال یادگار کے قیام کے مراحل آخری منزل میں داخل ہو چکے ہیں۔

جناب صہبا لکھنوی کی تصنیف "اقبال اور بھوپال" کی اشاعت کے بعد بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ اقبالیات کے اس گوشہ پر مزید تحقیق کی ضرورت باقی نہیں۔ "اقبال نامے" کی ترتیب کے وقت یہ حقیقت واضح ہوئی کہ ابھی بہت سے گوشے تاریک ہیں۔ "اقبال اور ممنون" پر میں نے اپنا کام ۱۹۷۷ء میں بہت پہلے شروع کر دیا تھا۔ اس کتاب میں اسی نام سے شامل مضمون بہت سی ملاقاتوں کے بعد مکمل کیا گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مرکز میں اندرا کانگریس کی حکومت تھی اور اقبال ٹکٹ کی رسم اجرا کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ جناب سردار جعفری اور جناب ممنون حسن خاں اقبال صدی کی تقریبات اور بھوپال میں یادگار اقبال کے قیام کے لئے محترمہ اندرا گاندھی اور وزیر اعلیٰ

مدھیہ پردیش سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھے کہ عام انتخابات میں انڈین کانگریس کی جگہ جنتا پارٹی کی حکومت قائم ہوگئی اور محترمہ اندرا گاندھی نے بڑے وقار سے عوام کے اس فیصلہ کو قبول کیا۔ اقبال صدی تقریبات ضرور ہوئیں لیکن اقبال ٹکٹ جاری نہ ہوسکا۔ "اقبال اور ممنون" میں اقبال صدی کی تمام تفصیلات اور طاقتوں کے عروج و زوال کی داستان ملے گی۔ اس مضمون کی حیثیت مرکزی ہے اور دیگر مضامین اختصار کے ساتھ اقبالیات کے مختلف گوشوں کا احاطہ کرتے ہیں۔

جناب ممنون حسن خاں نے ایک بار فرمایا تھا کہ "بیٹے اقبال پر کام کرتے رہو اقبال تم کو بہت اوپر لے جائیں گے۔" میں نے ان کی نصیحت پر عمل کیا۔ فیض اقبال کی برکات میرے ساتھ ہیں۔ اس کے قبل "اقبال اور شبستان محل" اس کے بعد "اقبال نامے" ان کے تعاون ہی سے ترتیب دے سکا ہوں۔ ان کا کرم اور ان کی عنایت ہے کہ مجھ کو اسقدر نوازتے ہیں۔

استاذی پروفیسر ڈاکٹر ابو محمد صاحب سحر، جناب سید عابد علی صاحب وجدی الحسینی، جناب سید علی حسین صاحب، جناب سید محسن علی صاحب، پروفیسر آفاق احمد صاحب اور پروفیسر حسن مسعود صاحب کا شکر گذار ہوں کہ ان کے تعاون سے بعض نکات واضح ہوئے۔ اور بعض ماخذات تک میری رسائی ہوئی۔ عزیز گرامی جناب شکیل اعجاز صاحب نے بڑے خلوص سے سرورق تیار کیا ہے۔ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں اردو اکادمیوں کے قیام سے بہت سے حوصلہ افزا واقعات سامنے آئے ہیں تو ادبی سرگرمیوں میں اضافہ سے طباعت کے بہت سے مسائل بھی بڑھ گئے ہیں۔ "اقبال اور ممنون" کو "اقبال نامے" سے قبل شائع ہو جانا چاہئے تھا اور وہ بھی بہت اچھی طرح۔ اس کتاب کی اشاعت کیلئے بھی مجھے مدھیہ پردیش سے مہاراشٹر کے چکر لگانے پڑے ہیں۔ جیسی کچھ بھی کتاب شائع ہوئی ہے وہ قارئین کے سامنے ہے۔ مجھے باخبر حضرات سے ضرور امید ہیکہ احتساب میں اس پہلو کو نظر انداز نہیں کریں گے۔

صادق منزل، چوکی امام باڑہ
بھوپال

اخلاق اثر

دارالاقبال بھوپال اور اقبال

بھوپال کو دارالاقبال ہونے کا فخر عرصہ دراز سے حاصل تھا۔ علامہ اقبال نے بھوپال میں بارہا قیام فرمایا اور ۱۹۳۶ء میں مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق" شائع کی تو "در حضور رسالت مآب" کی شانِ نزول کے سلسلے میں بھوپال کو "دارالاقبال" تحریر فرمایا۔ چنانچہ ان کی تحریر میں "دارالاقبال" بھی ملتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھوپال دارالاقبال کے تصور سے متفق تھے۔

علامہ اقبال کو دربار بھوپال سے وظیفہ جاری ہونا اہم ہے مگر اس سے زیادہ اہم وہ قدر و منزلت ہے جو انکو بھوپال میں ملی۔ یہ محبت دربار بھوپال سے بھی ملی اور عوام سے بھی۔ اقبال نے نثر و نظم اور اردو و فارسی میں بھوپال کے تعلق کا اعتراف کیا ہے۔ علامہ اقبال پہلی بار ۹ مئی ۱۹۲۱ء کو بھوپال تشریف لائے۔ راحت منزل میں دو روز قیام کیا۔ دوسری بار ۳۱ جنوری ۱۹۳۵ء کو بھوپال تشریف لائے۔ اور ۷ مارچ ۱۹۳۵ء تک ریاض منزل میں قیام پذیر رہے۔ تیسری بار ۱۷ جولائی ۱۹۳۵ء میں بھوپال تشریف لائے اور شیش محل میں ۲۸ اگست تک مقیم رہے۔ چوتھی اور آخری بار ۲ مارچ ۱۹۳۶ء کو بھوپال تشریف لائے اور ۸ اپریل ۱۹۳۶ء کو بھوپال سے تشریف لے گئے۔ تیسری اور چوتھی بار ان کا قیام شیش محل میں رہا۔ دورانِ قیام بھوپال علامہ اقبال نے بہت سے لوگوں سے ملاقاتیں فرمائیں۔ کئی مقامات دیکھے۔ ہندوستان کے ماہر مصور عبدالحلیم انصاری مرحوم نے اقبال کو دیکھ کر انھیں بیٹھا کر ان کی تصویر بنائی۔ علامہ اقبال نے بھوپال میں ہی اپنی مشہور و معروف نظمیں تخلیق کیں۔ اور وہ خطوط لکھے جن سے علامہ اقبال کی شخصیت اور شاعری سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

علامہ اقبال نے ریاض منزل اور شیش محل میں درج ذیل نظمیں تخلیق کیں:

ریاض منزل:

۱- سلطانی

۲۔ تصوف

۳۔ وحی

۴۔ مقصود

۵۔ حکومت

۶۔ نگاہ

۷۔ امید

شیش محل:

۱۔ صبح

۲۔ مومن

۳۔ امرائے عرب سے

۴۔ ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام

۵۔ جمعیت اقوام مشرق

۶۔ مسولینی

۷۔ ابی سینیا

۸۔ درحضور رسالت مآبؐ کے ۲۲ اشعار (فارسی)

علامہ اقبال نے ریاض منزل اور شیش محل سے بہت سے مکاتیب تحریر فرمائے جن کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

ریاض منزل:

۱۔ ۵ر فروری ۱۹۳۵ء بنام نذیر نیازی

۲۔ ۹ر فروری ۱۹۳۵ء بنام نذیر نیازی

۳۔ ۱۱ر فروری ۱۹۳۵ء بنام نذیر نیازی

۴۔ ۱۱ر فروری ۱۹۳۵ء بنام نذیر نیازی

۵۔ ۱۳؍فروری	۱۹۳۵ء	بنام نذیر نیازی
۶۔ ۲۰؍فروری	۱۹۳۵ء	بنام عباس علی خاں لمعہ
۷۔ ۲۷؍فروری	۱۹۳۵ء	بنام نذیر نیازی
۸۔ ۴؍مارچ	۱۹۳۵ء	بنام نذیر نیازی

شیش محل

۱۔ ۱۹؍جولائی	۱۹۳۵ء	بنام مولانا سید سلیمان ندوی
۲۔ ۲۲؍جولائی	۱۹۳۵ء	بنام ڈاکٹر تاثیر
۳۔ یکم اگست	۱۹۳۵ء	بنام سید سلیمان ندوی
۴۔ یکم؍اگست	۱۹۳۵ء	بنام نذیر نیازی
۵۔ ۵؍اگست	۱۹۳۵ء	بنام خواجہ الیف۔ایم۔شجاع
۶۔ ۶؍اگست	۱۹۳۵ء	بنام نذیر نیازی
۷۔ ۱۰؍اگست	۱۹۳۵ء	بنام نذیر نیازی
۸۔ ۲۰؍اگست	۱۹۳۵ء	بنام مولانا سید سلیمان ندوی
۹۔ ۲۱؍اگست	۱۹۳۵ء	بنام نذیر نیازی
۱۰۔ ۲۳؍اگست	۱۹۳۵ء	بنام مولانا سید سلیمان ندوی
۱۱۔ ۲۴؍اگست	۱۹۳۵ء	بنام نذیر نیازی
۱۲۔ ۲؍مارچ	۱۹۳۶ء	بنام نذیر نیازی
۱۳۔ ۸؍مارچ	۱۹۳۶ء	بنام قاضی تلمذ حسین
۱۴۔ ۸؍مارچ	۱۹۳۶ء	بنام نذیر نیازی
۱۵۔ ۱۰مارچ	۱۹۳۶ء	بنام سر راس مسعود
۱۶۔ ۲۸مارچ	۱۹۳۶ء	بنام سلامت اللہ شاہ
۱۷۔ ۳۱مارچ	۱۹۳۶ء	بنام نذیر نیازی

قرآن کریم پر علامہ اقبال نے اپنی تصنیف کا خاکہ بھی شیش محل میں ہی تیار کیا تھا۔

سر راس مسعود نے علامہ اقبال سے جناب ممنون حسن خاں کا تعارف کرایا تھا۔ جناب ممنون حسن خاں کو علامہ اقبال کا معتمد ہونے کا فخر بھی حاصل ہوا۔ پھر ان کو اقبال کا مکتوب الیہ ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ جناب ممنون حسن خاں کے نام ہی علامہ اقبال نے اپنا آخری مکتوب تحریر فرمایا تھا۔ چنانچہ اقبال اور بھوپال کے تعلق پر روشنی ڈالنے کے لئے ماہرین اقبال نے ان سے رجوع کیا۔ آل انڈیا ریڈیو نے نشریہ اور "محفوظ خانہ" کے لئے جناب ممنون خان کا نصف گھنٹہ کا انٹرویو ریکارڈ کیا۔ "علامہ اقبال نے آخری خط جناب ممنون خاں کو لکھا" کے عنوان سے ۲۶ / نومبر ۱۹۸۲ء کو "جنگ کراچی" نے اسے درج ذیل نوٹ کے ساتھ طبع کیا:

"علامہ اقبال کے ان نیاز مندوں کی تعداد جنہوں نے ان کے قریب رہنے کی سعادت حاصل کی اور ان کی محبت سے فیض یاب ہوئے اور انھیں علامہ سے استفادہ کرنے کے یادگار لمحات میسر آئے۔ نذیر نیازی، بیگم راحت، سعید چھتاری، (سابق لیڈی مسعود) اعجاز احمد اور ممنون حسن خاں کا شمار انھیں خوش قسمت لوگوں میں ہوتا ہے۔

حال ہی میں نجنا جمیل زبیری بھوپال گئے تھے۔ انہوں نے شیش محل کے وہ کمرے دیکھے جن میں علامہ اقبال قیام پذیر ہوتے تھے اور ممنون حسن خاں سے بھی ملے۔ اور ان سے علامہ اقبال کے بارے میں گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ کچھ عرصہ قبل ممنون حسن خاں کا ایک انٹرویو آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوا تھا۔ اور یہ انٹرویو ڈاکٹر اخلاق اثر نے لیا تھا۔ جمیل زبیری صاحب نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اس انٹرویو کی ایک کاپی ممنون حسن خاں سے حاصل کرلی ذیل میں اسی انٹرویو کے وہ حصے شائع کیے جارہے ہیں جو علامہ اقبال سے متعلق ہیں۔"

علامہ اقبال جیسی بلند و بالا شخصیت کے ہزار پہلو تھے۔ انکی زندگی کا ہر لمحہ لمحہ جاوداں تھا۔ علامہ اقبال کے قیام بھوپال کی تفصیلات قلمبند کرنے کا سلسلہ جاری ہے اور جناب ممنون حسن خاں اس کا بہترین ذریعہ ہیں۔

14

Dr. Sir Mohd. Iqbal Kt.
M.A., Ph.D., LL.D.
Barrister at Law

Lahore
Dated 193

15th May 1935

Private & Confidential

My dear Masood,

I wrote to you yesterday & write this in continuation of yesterday's letter as I forgot to write an important point. I suppose you know that I have taught myself to live a plain life. My needs are not many. With a small pension will I think be for me. Please do not think that I need thousands to live upon. My feeling is that I am passing away & am anxious to write down .... thoughts on the Quran before I leave this world. The little energy that is left in me must now be devoted to this work so that I may meet your ancestor with the feeling of a Muslim who has done his duty to the Great Faith that he has given us all.

Yours Ever

Muhammad Iqbal

لاہور
۱۰ جون ۱۹۳۷ء

ڈیئر مسعود۔ پرسوں تم کو ایک چٹھی لکھا تھا۔
امید ہے مل گیا ہوگا۔ اس خط میں ایک بات لکھنا بھول گیا۔ جو اب لکھتا ہوں۔
میرے جاوید اور منیرہ کے چار guardians
مقرر کئے تھے۔ یہ guardians از روئے وصیت مقرر کئے گئے تھے۔ وصیت رجسٹرڈ
ہو چکی ہے دفتر میں محفوظ ہے۔ نام ان کے حسب ذیل ہیں۔
(۱) شیخ عطا محمد۔ یہ میرے بڑے بھائی ہیں۔ جو قریباً ستر سال کی عمر کے
ہیں۔ جماعت احمدیہ میں شامل ہو گئے ہیں۔ (۲) چودھری محمد حسین ایم۔اے۔ سپرنٹنڈنٹ
پریس برانچ سول سیکرٹریٹ لاہور۔ یہ بھی بڑے مخلص دوست ہیں۔ اور نہایت مخلص مسلمان
(۳) شیخ اعجاز احمد بی۔اے۔ ایل ایل بی۔ سب جج دہلی۔ (۴) خواجہ عبدالغنی مرحوم۔ جن کی
بیچارے کی بابت میں تم کو اطلاع دے چکا ہوں۔ اس کی جگہ میں نے میاں امیر الدین صاحب رئیس لاہور
کو مقرر کرنے کا ارادہ کیا۔ نمبر (۳) شیخ اعجاز احمد میرا بھتیجا ہے۔ نہایت صالح آدمی ہے
مگر افسوس کہ دینی عقائد کی رو سے قادیانی ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ
تمام مسلمان کافر ہیں۔ اس لئے یہ امر قابل غور ہے کہ آیا ایسا عقیدہ رکھنے
والا مسلمان بچوں کا guardian ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس کا عہدہ وہ ہو تو بہت
خیال ہے۔ وہ عام طور پر لاہور سے باہر رہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی جگہ تم کو
guardian مقرر کر دوں۔ مجھے امید ہے کہ تمہیں اس کا ذرا عذر نہ ہوگا۔ یہ درست ہے
کہ تم لاہور سے بہت دور ہو۔ لیکن اگر کوئی معاملہ ایسا ہوا تو لاہور میں رہنے والے
guardians تم سے خط و کتابت کر سکتے ہیں۔ باقی جاوید کی تعلیم کے متعلق
میں جو کچھ وراثت میں چھوڑ جاؤں گا اس کا انتظام مسعود ... کرے گا اور ...
دیا کرے گا۔ امید ہے کہ تم کو اب فرصت ہو گئی ہوگی۔
اس کا بہت مفید ہے۔ یہ ایک قسم کی ... Iodine Salt ہے
دوسرا استعمال ... اس کا استعمال نہایت سہل ہے۔

والسلام

محمد اقبال

Senate Hall,
Lahore.

20th Dec 1900.

L. Onkar Narain, B.A.,
Jhandu House,
Lahore.

Dear Sir

The Vice-Chancellor sanctions your employment to teach the classes in History and Political Economy in the Oriental College, two hours a day, until the return of Sh. Muhammad Iqbal from service in the Government College. One third of his salary of Rs. 72/14/10 per mensem will be paid you.

You will please be prepared to take up the work on the morning of the 3rd of January 1901. Sh. Muhammad Iqbal will give you any information or assistance you desire.

Yours truly,

A. W. Stratton

اقبال اور ممنون

اقبال کے مکاتیب کے مطالعہ کے دوران بہت سی اہم شخصیتوں کے نام سامنے آتے ہیں جن میں ممنون حسن خاں کا نام بھی شامل ہے۔ ممنون حسن خاں اقبال کے عقیدت مند ہیں اور خود کو اقبال کا "کفش بردار" کہتے ہیں۔ ان کی زندگی میں وہ جاوداں لمحات ہمیشہ روشن و تابناک رہیں گے جب انھیں اقبال کے قریب رہنے اور بعد میں یاد کئے جانے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اقبال کے مکاتیب میں جابجا ان کا ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ ۳ مئی ۱۹۳۵ء کے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"مہربانی کرکے مجھے لکھئے کہ اگر میں جون کے آخر میں آؤں تو اپنے بھوپال پہنچنے کی کس کو اطلاع دوں۔ ممنون کو اطلاع دیدوں یا کس کو آپ لکھیں۔"

۲۴ جون ۱۹۳۵ء کے مکتوب کے حاشیہ میں ایک ایسا اشارہ ملتا ہے جس کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ اقبال کی نظروں میں ممنون حسن خاں اپنا مقام بنانے لگے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:

"ہاں آپ کے پرائیویٹ سکریٹری ممنون حسن خاں ریاض منزل ہی میں ہوگا یا کہیں اور۔ میں اپنے آنے کی اطلاع اسے دے دوں گا۔"

بعد میں جب راس مسعود بیمار ہوئے تو اقبال بے چین ہو گئے اور ان کی خیریت معلوم کرنے کے لئے ممنون حسن خاں سے بہتر کوئی اور شخص ان کو نظر نہ آیا چنانچہ اقبال ان کو خطوط لکھتے رہے۔ اقبال نے

ممنون حسن خاں کو دس مکاتیب اور ایک تار تحریر کیا تھا۔ ان مکاتیب میں سے آخری مکتوب اقبال کا آخری مکتوب ہے۔ ان مکاتیب کے مطالعے سے اقبال کے راس مسعود، نواب حمید اللہ خاں اور ممنون حسن خاں سے روابط پر روشنی پڑتی ہے۔ اقبال راس مسعود کے انتقال کے بعد ممنون حسن خاں کے اور قریب آگئے تھے اور ان کے مستقبل کے بارے میں بھی فکرمند تھے۔

اقبال کے انتقال کے بعد ممنون حسن خاں نے اقبال کی یاد زندہ رکھی ان کی تحریروں کی حفاظت کی اور ان کے ساتھ گزارے ہوئے ایک ایک لمحہ کا حساب رکھا۔

اقبال راس مسعود اور نواب حمید اللہ خاں سے تعلق کی وجہ سے ممنون حسن خاں کی اہمیت بڑھتی گئی اور اقبال کے شیدائی اقبال سے متعلق تحقیق میں ان سے رابطہ قائم کرتے رہے چنانچہ جب شیخ عطاء اللہ نے اقبال کے مکاتیب کی اشاعت کا منصوبہ بنایا تو ممنون حسن خاں سے خط و کتابت کی ممنون حسن خاں کے نام شیخ عطاء اللہ کے کئی مکاتیب تھے جو ضائع ہو گئے صرف ایک مکتوب محفوظ رہا جو حسب ذیل ہے۔

شیخ عطاء اللہ ایم اے — مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

شعبہ معاشیات — ۶-۴-۴۷ء ۱۹

مخدومی و معظمی ممنون حسن صاحب۔ السلام علیکم

ڈاکٹر یوسف صاحب نے کل آپ کا خط جو ان کے نام تھا مجھے دیا اس کی بنا پر یہ خط لکھ رہا ہوں۔ آپ کے خط سے آپ کی عنایت و محبت کا پتہ چلتا ہے اور ان دو نادر روزگار ہستیوں سے وابستگی ظاہر ہوتی ہے جن پر اسلامی ہندوستان کو ہمیشہ طور پر ناز رہے گا۔

میں نے اقبال مرحوم کے مکاتیب بغرض اشاعت جمع کرنے شروع کئے ہیں۔ خدا کے فضل سے

کچھ کامیابی ہو رہی ہے اور اس مقصد کی اہمیت کے پیش نظر ہر طرف سے لطف و کرم کا اظہار ہو رہا ہے آپ سے اصلی مکاتیب کا طالب نہیں ان کی نقول تیار کرا کر بھجوا دیجیے نہایت ممنون ہوں گا۔ میں تو صرف اس قدر چاہتا ہوں کہ آپ کے پاس جو قومی امانت محفوظ ہے اس کے افادہ و لطف میں تمام مسلمانوں کو شمولیت کا افتخار بخشیے اور آئندہ نسلوں کے لیے اس یادگار کو محفوظ کر لینے میں میری اعانت فرمایئے ازراہِ کرم تمام خطوط کی مکمل نقول مجھے جلد از جلد بھجوا کر ممنون فرمایئے میں نے شعیب صاحب کو بھی لکھا ہے یاد دہانی بھی کراؤں گا لیڈی مسعود صاحبہ نے بھی مکاتیب عطا فرمانے کا وعدہ فرما لیا ہے۔ والسلام۔

آپ کا مخلص

عطاء اللہ

ممنون حسن خاں کی دعوت پر شیخ عطاء اللہ بھوپال تشریف لائے۔ اقبال کے مکاتیب کی نقلیں تیار کیں اور اقبال نامہ میں شائع کرا دیں[۱]

اسی طرح فقیر سید وحید الدین نے "روزگار فقیر" کی جلد دوم کی اشاعت کے وقت ممنون حسن خاں کو ۹ نومبر ۱۹۶۴ء کو تعاون کے لئے مکتوب روانہ کیا۔

۱۔ چند خطوط ممنون حسن خاں صاحب کی وساطت سے بھی میسر آئے جنہوں نے اس سلسلہ میں خلوص و ذوق کا ثبوت دیا۔

(اقبال نامہ از شیخ عطاء اللہ ص نز)

فون ۴۱۸۱۵ قیامگاہ　　　　فقیر سید وحید الدین
" ۳۲۰۰۳ دفتر　　　　۴۳ روزا سٹریٹ
تار "فقیر ہو"　　　　میک نیل روڈ
۷ نومبر ۱۹۶۴ء　　　　کراچی کینٹ

مکرمی!

السلام علیکم

لیڈی راس مسعود صاحبہ سے معلوم ہوا کہ آپ ڈاکٹر اقبال کے کلام و حالاتِ زندگی سے کافی دلچسپی رکھتے ہیں اور موصوفہ نے میری کتاب "روزگار فقیر" جلد اول کا ایک نسخہ آپ کی خدمت میں ارسال بھی کیا ہے۔

زیرِ طبع "روزگار فقیر" جلد دوم کے لئے لیڈی صاحبہ نے دو تصویریں ریاض منزل کی عنایت فرمائی ہیں جہاں دورانِ قیام بھوپال علامہ اقبال فروکش ہوا کرتے تھے نیز موصوفہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اکثر شیش محل میں بھی ڈاکٹر صاحب کا قیام رہتا تھا جس کی کوئی تصویر لیڈی صاحبہ کے پاس نہیں ہے۔ اس کے لئے مجھے آپ کی طرف رجوع کیا ہے۔ امید ہے کہ از راہِ کرم شیش محل اور اس کے اس کمرہ کا فوٹو جہاں ڈاکٹر صاحب کا عموماً قیام رہتا تھا جلد سے جلد روانہ فرما کر کتاب کی تکمیل میں معاونت فرمائیں گے اس سلسلہ میں جو بھی اخراجات ہوں گے وہ حسب الارشاد حاضر کردئے جائیں گے۔ زحمت دہی کی معافی چاہتا ہوں فوری توجہ کے لئے مزید شکریہ۔

تصویر کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ بڑے سائز کی ہو۔ صاف ہو چھوٹی سے بڑی بنوا کر کرالی جائے گی۔

خاکسار　فقیر سید وحید الدین

بابائے اردو مولوی عبدالحق ممنون حسن خاں کو اس ذریعہ بے مثال کی یادگار سمجھتے تھے جب راس مسعود بھوپال میں تھے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

انجمن ترقی اردو پاکستان — حوالہ عدد ۱۶۷۶

اردو روڈ کراچی — مورخہ ۱۸ استمبر ۵۶ء

عزیزی مکرم ممنون حسن خاں سلمہ اللہ تعالیٰ

آپ کا خط مسعود حسن سلمہ نے دیا۔ پڑھ کر بھوپال کا وہ زمانہ یاد آگیا۔ جب مرحوم سید راس مسعود وہاں تھے۔ بھوپال کا وہ زمانہ خوش حالی والوں کا زمانہ تھا اب وہ واپس نہیں آسکتا۔ اس کی یاد میں رنج کے ساتھ مسرت بھی ملی جلی ہوتی ہے۔ کچھ دنوں کے بعد یہ سب باتیں خواب وخیال ہو جائیں گی معلوم نہیں اب آپ کس حال میں ہیں اور کیا شغل ہے۔ خدا کرے آپ اطمینان سے ہوں اور نئے انقلاب سے آپ پر کوئی برا اثر نہ پڑا ہو

خیر طلب

عبدالحق

(ڈاکٹر عبدالحق)

صدر

انجمن ترقی اردو پاکستان

ڈاکٹر سلیم حامد رضوی نے پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لئے "اردو ادب میں بھوپال کا حصہ" کے موضوع پر تحقیق کا شروع کیا تو ممنون حسن نے تحریر فرمایا۔

مکرمی ممنون صاحب

السلام علیکم

ادبیات بھوپال پر میری کتاب چھپ رہی ہے
اس میں آصف شاہمیر خاں سے حاصل کرکے ان خطوط کی نقل
بھی دی ہے جو علامہ اقبال نے سر راس مسعود مرحوم کو لکھے
تھے اب میں چاہتا ہوں کہ ان خطوط کو اصل خطوط سے ملا کر
تصدیق کر لوں اور جو خطوط انہوں نے آپ کو لکھے ہیں ان کو
بھی شامل کر دوں۔

کیا وہ اصل خطوط آپ مجھے اس یقین و اعتماد
کے ساتھ مرحمت فرما سکتے ہیں کہ میں ان کی نقل کر کے اصل
آپ کو جلد سے جلد واپس کر دوں گا۔

میں خود آتا مگر آپ کی انتہائی مصروفیت
کی بدولت حاضر نہیں ہوا۔

جواب کا منتظر

سلیم حامد رضوی

اقبال سے قریبی تعلق کی وجہ سے ممنون حسن خاں کی قدر و
منزلت بڑھتی گئی اقبال اکیڈمی ہو یا اقبال سیمینار، اقبال پر مباحثہ ہو یا
اقبال پر تصنیف ممنون حسن خاں کو ضرور یاد کیا جاتا۔ کریم رضا معتمد اقبال
اکیڈمی حیدرآباد کے لئے ممنون حسن خاں کو تحریر فرماتے ہیں :-

اقبال اکیڈمی

حیدرآباد اے پی ہندوستان

محترم جناب ممنون حسن خاں صاحب

سلام علیکم

جناب یوسف رحمت اللہ صاحب آرگنائزر کل ہند

مجلس تعمیرِ ملت نے اپنے قیام بھوپال کے دوران جناب ڈاکٹر گوہر جلالی سے ملاقات کی تھی اور آپ سے بھی غائبانہ متعارف ہوئے تھے ان کی خواہش تھی کہ آپ سے بھی شرفِ ملاقات حاصل کریں وقت کی کمی کے باعث آپ سے ملاقات نہ کر سکے۔

علامہ اقبال سے آپ کے قریبی تعلق کے پیش نظر ہمیں امید ہے کہ اقبال اکیڈمی آپ کی رہنمائی سے محروم نہیں رہے گی۔

ذریعہ ہذا اقبال اکیڈمی کا لٹریچر مرسل ہے

آپ کے جواب کا منتظر

کریم رضا

(کریم رضا)

معتمد

مشہور ترقی پسند شاعر و دانشور سردار جعفری نے اقبال صدی کے موقع پر عالمی سیمینار کا انعقاد کیا تو ممنون حسن خاں کو کل ہند صد سالہ جشنِ اقبال کمیٹی کی رکنیت، مختلف اجلاسوں میں شرکت اور مقالہ خوانی کی دعوت دی۔

۱۰ استیا محل

بومن جی پیٹٹ روڈ

بمبئی ۳۶۰۰۰۳۶

ٹیلی فون ۳۶۷۱۳۴

۲۴ اپریل ۷۶ء

علی سردار جعفری

محترمی

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۲ اپریل بہ سوں نظر

سے گزرا میں تقریباً ایک ماہ کی غیر حاضری کے بعد بمبئی واپس آرہا ہوں۔

آپ کل ہند صد سالہ جشن اقبال کمیٹی کی رکنیت ضرور قبول فرمائیے مجھے بڑی مسرت ہوگی میں اس خط کی پشت پر کمیٹی کا پورا نام انگریزی میں لکھ رہا ہوں اور کمیٹی کے خازن جناب بی بی سلامی صاحب کا پتہ بھی تحریر کر رہا ہوں آپ موصوف کے پاس ایک خط کے ساتھ سو روپے کا چیک ارسال فرما دیجئے یہ رکنیت کی فیس ہے۔

اقبال پر عالمی سیمینار اکتوبر یا نومبر ۱۹۷۷ء میں منعقد ہو رہا ہے۔ تمام ضروری باتیں وزیر تعلیم ڈاکٹر نور الحسن صاحب سے ہوگئی ہیں آپ اس میں ضرور شرکت فرمائیے اگر آپ اپنے مقالے کا عنوان عنایت فرمادیں تو مناسب ہے اگر آپ مقالہ نہ بھی پڑھیں تو بھی سیمینار میں شرکت فرمائیں۔ سیمینار نئی دلی میں منعقد ہوگا

امید آپ کا مزاج بخیر ہوگا

آپ کا

اندرا گاندھی

ماہر اقبالیات پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے اقبالیات پر غیر معمولی تحقیقی کام کیا اور اقبال کے تعلق سے ممنون حسن خاں کا بہت احترام کیا۔ جو درج ذیل تحریروں میں بہت واضح ہے۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد اپنے ۶ اپریل کے مکتوب میں بھوپال نہ آنے اور مدھیہ پردیش اردو اکیڈمی بھوپال کے جشن اقبال اور مشاعرے میں شرکت نہ کرنے اور ملاقات سے محرومی کا ذکر کر [illegible]

قیامگاہ
۸/۲ تالاب تلّو
گول گجرال روڈ
جموں توی (جوانڈیا)

جگن ناتھ آزاد
پروفیسر و صدر شعبۂ اردو
جموں یونیورسٹی
جموں

۱۲ اپریل ۱۹۸۳ء

ما اگر مکتوب نہ نوشتیم عیب ما مکن
در میان راز مشتاقاں قلم نا محرم است

برادرِ محترم ممنون صاحب۔ تسلیم

حیران ہوں اپنی کوتاہی کے لئے آپ سے کن الفاظ میں معافی مانگوں۔ نہ جانے کتنی بار آپ کو خط لکھنے کا ارادہ کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کو خط لکھنے کے لئے یا دوسرے لفظوں میں آپ کے ساتھ بات چیت کرنے کیلئے جس اطمینانِ قلب کی ضرورت تھی وہ میسر نہ آیا آج انتہائی ندامت کے ساتھ یہ چند سطور محض معذرت نامے کے طور پر آپ کی خدمت میں لکھ رہا ہوں۔

اس دوران میں بھوپال اردو اکیڈمی کے جشنِ اقبال اور شاعرے میں شرکت کا دعوت نامہ بھی ملا بلکہ اکیڈمی کے منتظمین نے جس محبت و اشتیاق سے یاد فرمایا اس کے بعد اجلاس میں شریک نہ ہونا ایک جرم سے کم نہیں تھا۔ پہلے تو یہ خیال رہا کہ بھوپال میں آپ کے ساتھ تفصیل سے ملاقات ہوگی اس کے بعد جب اچانک پروگرام تبدیل ہوگیا تو آپ سے بھوپال میں ملاقات کا موقع بھی ہاتھ سے نکل گیا اس کا ایک طرح سے تدارک ہوا لیکن حاضر نہ ہونے کی سزا تو سراپا ہونا تھی۔

ستمبر میں اقبال عالمی کانگریس میں شرکت کے لئے لاہور اور سیالکوٹ گیا تھا۔ آپ اس سفر میں بہت یاد آئے بالخصوص جاوید منزل میں اور مزار اقبال پر حاضری کے وقت اللہ اللہ کیا سماں تھا! اس سفر میں دو نظمیں کہہ لیں ایک تو اس خط کے ساتھ حاضر ہے دوسری چند روز کے بعد حاضر کروں گا۔

اس خط کے ساتھ "اقبال اور کشمیر" رجسٹری کے ذریعہ سے ارسال خدمت ہے۔ موصول ہو جانے پر رسید سے مطلع فرمائیں تاکہ اطمینان ہو منزلِ مقصود پر پہونچ گئی ہے

خدا کرے آپ ہر طرح خیریت سے ہوں۔

نیازمند

جگن ناتھ آزاد

۷ ستمبر ۱۹۷۷ء کے مکتوب میں ملاقات کے لئے بیتابی کا عالم ملاحظہ فرمایئے۔

شعبۂ اردو جموں یونیورسٹی
جموں توی

۷ ستمبر ۷۷ء

محبِ گرامی قدر تسلیم

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ سراپا سپاس ہوں۔ آپ کا خط ملتا ہے تو جی خوش ہو جاتا ہے۔ کیا بتاؤں آپ سے ملاقات کے لئے کس قدر بیتاب ہوں۔ خدا کرے جلد کوئی موقع نصیب ہو۔ اقبال صدی تقاریب کے موقع پر بھوپال

آنے کی صورت پیدا ہوئی تھی لیکن اس وقت میں اسلامیہ
کالج و نیم باڑی (تامل ناڈو) چلا گیا تھا۔

گذشتہ برس میسور یونیورسٹی میں علامہ مرحوم
کے فکر و فن پر جو لیکچر میں نے دیئے تھے وہ یونیورسٹی کی
طرف سے "آسپیکٹس آف اقبالز پوئٹری" کے نام سے
چھپ رہے ہیں۔ پروف اس وقت میرے سامنے
رکھے ہیں لیکن اس کام کی باری ہی نہیں آرہی ہے۔
کیا کروں۔ ستمبر کے آخر میں کشمیر یونیورسٹی میں اقبال سیمینار
ہو رہا ہے اس کے لئے مقالہ ابھی ادھورا ہے۔ اس سے
قبل ایک سفر مارشیس کا درپیش ہے وہاں بھی یونیورسٹی
میں علامہ مرحوم کے کلام اور فلسفے پر مقالہ پڑھنا ہے لہذا
اب ساری توجہ اس مقالے کی طرف ہے۔ اکتوبر کے شروع
میں کشمیر یونیورسٹی ہی میں دو توسیعی لیکچر ہیں ان میں
ایک لکھ لیا ہے اور دوسرا نامکمل ہے اس طرح
سے وقت گذر رہا ہے۔ بقول غالب ع

نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

پچھلے دنوں حکومتِ پاکستان کی طرف سے پاکستان
کے سفیر کبیر نے اقبال میڈل سے نوازا۔ آپ نے
اخبارات میں دیکھا ہوگا۔

صحت آپ کی دعا سے ٹھیک چل رہی ہے رضائے
پاک کا لطف و کرم ہے۔

امید کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

نیاز مند۔ جگن ناتھ آزاد

صہبا لکھنوی نے اپنی گرانمایہ تصنیف " اقبال اور بھوپال" کا منصوبہ بنایا ا
اقبال کے قیام بھوپال سے متعلق اہم شخصیتوں سے مواد حاصل کرنے کے لئے رابطہ قائم کیا جا
۰ رجون ۱۹۶۳ء کو پروفیسر آفاق احمد کو تحریر کیا :-

تم کم سے کم حسب ذیل معلومات ممنون حسن خاں صاحب،
یوسف قیصر صاحب اور دیگر متعلقہ حضرات سے اپنے طور پر معلوم
کر کے جلد لکھ دو تاکہ کام کو آگے کچھ اور بڑھاؤں۔ سنا ہے آصف شاہمیری
صاحب اقبال سے متعلق کچھ لئے پھرتے ہیں نادم صاحب نے بتایا کہ
ان کے پاس اقبال کے خطوط محفوظ ہیں ان کی نقلیں یا فوٹو اسٹیٹ
کاپیاں اگر مل جائیں تو بڑا کام ہو سکے گا۔ دریافت طلب یہ امر ہیں۔
۱۔ اقبال کی بھوپال میں آمد۔ سنہ سے سنہ تک۔
۲۔ اس دور میں بھوپال کی مشہور شخصیتیں۔ ان کے حالات۔
۳۔ ادبی محفلیں۔ بھوپال کی عام فضا۔
۴۔ شیش محل کے قیام کے دوران اقبال کے مشاغل، مصروفیات
وغیرہ۔
۵۔ اس دور کی کچھ تصویر اگر کہیں مل سکیں۔

صہبا لکھنوی نے ۲ راکتوبر ۱۹۶۳ء کو دوبارہ تحریر کیا کہ :-
" ممنون حسن خاں صاحب کا اس دور سے متعلق تفصیلی انٹرویو" لیں۔
پھر ۱۰ر اکتوبر ۱۹۶۳ء کو پروفیسر آفاق احمد کو یاد دہانی کرتے ہوئے کام جلد
ختم کرنے کی طرف متوجہ کیا :-

دیکھو بھائی اقبال والی کتاب کا کام پوری
رفتار سے کر لو۔ ممنون حسن خاں صاحب کے پاس ضرور چلے جاؤ۔
ان کے پاس غیر مطبوعہ خطوط ہیں یہاں میں نے سب طے کر رکھا ہے
جو کچھ دیر ہو گی تمہاری طرف سے ہو گی سب چھوڑ چھاڑ کر اس
کام پر لگ جاؤ۔ انشاء اللہ اس کے اچھے ہی نتائج برآمد ہوں گے۔

بھروسہ رکھو۔"

بعد میں صہبا لکھنوی نے ۲۲ مئی ۱۹۶۵ء کو شمیم احمد کو بھی لکھا کہ:۔

"ممنون حسن خاں صاحب سے ملاقات کبیر کوثر صاحب کی معیت میں کرو تاکہ خطوط کے عکس مل سکیں۔ ممنون حسن صاحب کا تفصیلی انٹرویو بہت ضروری ہے۔ یہ کام تو تم پہلی فرصت میں کرو اور یہ بھی معلوم کرنا کہ علامہ اقبال کے قیام بھوپال کے دوران ان کے علاوہ علامہ کی خدمت میں کون کون حضرات حاضر ہوا کرتے تھے۔"

صہبا لکھنوی برق رفتاری سے اپنی تصنیف "اقبال اور بھوپال" مکمل کر رہے تھے انھوں نے ۲۱ رجون ۱۹۶۵ء کو شمیم احمد کو لکھا کہ:۔

"تابش میاں بڑی سرگرمی اور توجہ سے کام کر رہے ہیں میں نے انھیں سب سے پہلے ممنون حسن خاں کا انٹرویو لینے کی تاکید کی ہے۔ شیش محل اور ان کے کمرہ کی تصویریں جس میں اقبال قیام کرتے تھے آج ہی مجھے رجسٹری سے ملی ہیں یہ دونوں تصویریں ممنون صاحب نے از راہ کرم عنایت کر دی ہیں ان کے پاس پرمٹ تھے۔"

ممنون حسن خاں کا انٹرویو بہت اہم تھا اسلئے صہبا لکھنوی متفکر رہتے تھے اور بار بار تاکید کر رہے تھے چنانچہ انھوں نے ۲۱ رجون ۱۹۶۵ء کو شمیم احمد کو پھر لکھا کہ:۔

"اگر ممنون حسن خانصاحب سے ملاقات کر چکے ہو تو اطلاع دو۔ امید کہ اب زیادہ انتظار نہ کراؤگے۔"

صہبا لکھنوی کی خواہش تو پوری نہ ہوئی اور ان کو ممنون حسن خاں کا تفصیلی انٹرویو نہ مل سکا مگر انھوں نے ممنون حسن خاں سے بہت استفادہ کیا اور ان کی

اہمیت واضح کی تحریر فرماتے ہیں کہ :

انیسویں صدی کے آغاز سے آخر دم تک اقبال کا بھوپال سے تعلق برقرار رہا۔ بھوپال کی جن گرانقدر شخصیتوں سے ان کی خط و کتابت رہی ان میں محمد امین زبیری، شاہ اسد الرحمٰن قدسی، راس مسعود، خاتون ارشد بیگم ارشد تھانوی، ممنون حسن خاں، ڈاکٹر عبدالباسط وغیرہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں ۔ ۱؎

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ :-

ممنون حسن خاں اب بھی بھوپال میں موجود ہیں اور معتبر اطلاعات کے بموجب چند غیر مطبوعہ خطوط ان کے پاس محفوظ ہیں لیکن وہ یہ خطوط جو قطعی ذاتی ہیں کسی کو دینے کے لیے تیار نہیں ۔ ۲؎"

میں نے بھوپال میں کہی اقبال کی نظموں کے پس منظر پر ایک مقا
تحریر کیا جناب محمد عمر انصاری کی خواہش پر ایک کتابچہ ترتیب دیا اور اس میں ممنون
خاں کی تقریر کا اقتباس، اپنا مضمون اور اقبال کی بھوپال میں کہی نظمیں شامل کر دیں
کتابچہ کی صہبا لکھنوی نے بڑی قدر کی اور ان کو بڑے اہتمام کے ساتھ "افکار" کراچی
خاص نمبر میں "متاعِ بے بہا" کے عنوان کے تحت اپنے نوٹ کے ساتھ شائع کر دیا۔ اس
میں جناب ممنون حسن خاں کے بارے میں تحریر کیا کہ :-

" علامہ اقبال کے ان نیازمندوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے جنہیں ان کے قریب رہنے، ان کی محبت سے فیضیاب ہونے، اور ان کے خیالات سے استفادہ کرنے کے یادگار لمحات میسر آئے ان نیازمندوں میں ان کے لائق

۱؎ اقبال اور بھوپال " صہبا لکھنوی صفحہ ۱۵

۲؎ اقبال اور بھوپال " صہبا لکھنوی صفحہ ۲۲

بھتیجے شیخ اعجاز احمد نذیر نیازی، بیگم راحت سعید چھتاری سابق لیڈی مسعود اور ممنون حسن خاں بطور خاص قابل ذکر ہیں[1]

دہبا لکھنوی نے ۶ مارچ ۱۹۸۰ء کے مکتوب میں جناب ممنون حسن خاں کی ارسال کردہ نئی معلومات اور ان کی "اقبال اور بھوپال" کے دوسرے ایڈیشن میں شمولیت کے بارے میں تحریر فرمایا اور اپنی عقیدت ظاہر کی۔

۶ مارچ ۱۹۸۰ء

قبلہ جناب ممنون صاحب زاد لطفہٗ

سلام شوق۔ مزاج گرامی

عرصہ دراز کے بعد آپ کا عطوفت نامہ پاکر دلی مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وعافیت سے رکھے اور مجھے یہ توفیق دے کہ میں ایک بار حاضر خدمت ہو کر شرف قدم بوسی حاصل کرسکوں۔ بھوپال آنے کے لئے تڑپ رہا ہوں لیکن یہاں "ہجوم افکار" نے بیڑیاں پہنا دی ہیں پھر بھی گذشتہ دنوں مشہور افسانہ نگار رام لعل کراچی آئے تھے میں نے ان سے درخواست کی ہے کہ مجھے کسی طرح اک بار بھوپال پہونچا دو تاکہ مرنے سے پہلے اپنے رفیقوں، شفیقوں اور سرپرستوں کے نیاز حاصل کرسکوں۔

نہ جانے پھر زندگی وفا کرے نہ کرے

'اقبال اور بھوپال' کا دوسرا ایڈیشن جس میں آپ کی بھیجی ہوئی تفصیلات بھی شامل ہیں زیر طبع ہے دو سال سے اقبال اکیڈمی والے لئے بیٹھے تھے۔ تقاضے کر کر کے تھک گیا۔ اب خدا کا شکر ہے کہ کام شروع ہوا ہے تاہم

---

[1] اقبال اور شیش محل۔ افکار کراچی ص ۴۱

چار چھ ماہ میں چھپ جائے۔ اشاعت کے فوراً بعد
انشاءاللہ آپ کی خدمت میں ارسال کروں گا مطمئن رہیں
معاوضے کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہ تو میرا فرض ہے کہ
آپ تک اپنی حقیر سی کاوش پہونچاؤں۔ دعا کیجئے کہ
جلد یہ مرحلہ سر ہو۔ امید کہ آپ گاہے گاہے یاد فرماتے
رہیں گے میں یہ عریضہ اسرار مسعود صاحب کے ذریعے
بھجوا رہا ہوں جو پرسوں بھوپال کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔

خدا کرے آپ مع الخیر ہوں

زیادہ والسلام

آپکا خادم

پس لفظ ——— اپنے ایک عزیز دوست کا شعری مجموعہ
"جزیرہ" آپ کی نذر ہے۔

محترم ممنون حسن خاں صاحب کی شرافت اور حسن اخلاق کا
مجھے تجربہ تھا ۱۹۷۳ء میں جب ریجنل کالج آف ایجوکیشن بھوپال میں تقرری کے لئے کوشاں
تھا اس وقت ڈاکٹر شنکر دیال شرما صاحب نے جو اس وقت صدر کانگریس تھے،
بلا کسی پس و پیش خندہ پیشانی سے تمام ریجنل کالجوں میں اردو کی آسامیاں قائم کروادی
تھیں اور بھوپال کے کالج میں تقرر کے لئے ممنون صاحب بنفس نفیس تشریف لے
گئے تھے اور ڈاکٹر بی۔ جی قانون گو پرنسپل ریجنل کالج آف ایجوکیشن بھوپال سے
گزارش کی تھی کہ اردو لکچرر کے تقرر میں جلد اقدام اٹھائے جائیں۔ تا انواع گو حاشیہ

نے فوری کارروائی کی یقین دہانی کی تھی۔ اس لئے وہاں سے واپسی پر خود ٹائپ کر کے قانون گو صاحب کے نام شکریہ کا مکتوب دیا تھا کہ سپرد ڈاک کر دوں۔ ان کے تعاون سے "اقبال اور شیش محل" کی اشاعت اور مقبولیت کے بعد میں نے اپنی مجوزہ کتاب "اقبال اور ممنون" پر تحقیقی کام شروع کیا تو جناب ممنون حسن خاں صاحب سے تعاون کی گذارش کی۔ انھوں نے اقبال اور بھوپال سے متعلق تحقیقی کام میں تعاون کی یقین دہانی کی لیکن کتاب کے نام سے اختلاف ظاہر کیا۔ تو میں نے اپنے دلائل پیش کئے..... اختلاف قائم رہا۔ دو تین دن بعد ممنون صاحب کا مکتوب موصول ہوا۔ تحریر تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمایوں منزل بھوپال
۲۹ اکتوبر ۱۹۷۶ء

میرے عزیز اخلاق اثر سلمہٗ۔ سلام مسنون

سب سے پہلے میں آپ کی ان تمام نوازشات کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جو آپ وقتاً فوقتاً مجھ پر کرتے رہتے ہیں مثلاً آپ نے صفحہ ... اپنی کتاب "اقبال اور شیش محل" میں میرا ذکر کیا ہے میں اس کا واقعی مستحق نہیں ہوں۔ اپنی اس چھوٹی سی لیکن بہت ہی بڑی کتاب میں آپ نے بھوپال میں حضرت علامہ اقبالؒ کی شاعری کا پس منظر بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ آپ ایک اور کتاب "اقبال اور ممنون" کے عنوان سے لکھ رہے ہیں اس سلسلہ میں میری معروضات حسب ذیل ہیں۔

زمانہ جانتا ہے کہ مجھے حضرت علامہ اقبالؒ کی جمالی شاعری اور ان کے غیر فانی آفاقی فلسفہ سے جو در اصل اسلام کا فلسفہ ہے عشق کی حد تک محبت ہے۔ لیکن علم وادب

نے میدان میں مجھے اپنے مقام کا اچھی طرح احساس ہے یعنی یہ کہ اس میدان میں دراصل میں کچھ بھی نہیں ہوں تقریباً جاہل ہوں۔ میری حالت اس مٹی کی طرح ہے جو کچھ عرصہ تک گلاب کے پھولوں کے نیچے پڑی رہی ہو اور اس طرح اس مٹی میں بھی کچھ خوشبو آ گئی ہو۔ "وگرنہ من ہمہ خاکم کہ ہستم" حضرت علامہؒ کا میں ایک ادنیٰ کفش بردار ضرور رہا ہوں لیکن کفش بردار بہر حال کفش بردار ہی رہتا ہے۔ اس لئے میرے متعلق یہ خیال کرنا کہ میرا نام اقبالؒ کے نام کے ساتھ اس طرح لیا جائے جس سے یہ غلط فہمی ہو سکے کہ جب میں حضرت علامہؒ کے جوتے سیدھے کرتا تھا تو میرا بھی علم و ادب کے میدان میں کوئی مقام تھا کسی طرح بھی مناسب اور صحیح نہیں ہے۔ "چہ نسبت خاک را با عالم پاک"۔ سید سر راس مسعود کا نام تو حضرت علامہؒ کے نام نامی کے ساتھ یقیناً ملایا جا سکتا ہے لیکن میرا نام اقبالؒ کے ساتھ اگر ملایا بھی جائے تو مرزا علی بخش صاحب مرحوم کی طرح ہی ملایا جا سکتا ہے اور کسی حیثیت سے نہیں۔

آپ بھوپال میں علامہؒ کے قیام اور مشاغل کے متعلق جو تحقیق کر رہے ہیں اس میں علم و ادب کے اس ایک ادنیٰ خادم کی حیثیت سے میں ضرور آپ کا پورا پورا ساتھ دوں گا لیکن [illegible] اسی طرح میری کفش برداری اور غلامی کو اس طرح نہ بیان فرمائیے کہ جس سے کسی کو بھی اس قسم کی غلط فہمی پیدا ہو کہ میں بھی بھوپال میں ان کا ایک ساتھی تھا یا میں ان کی علمی ادبی محفلوں میں برابر کا شریک ہوتا تھا بلکہ آپ کی تحریروں سے یہ بالکل عیاں ہونا چاہئے کہ

میرا ان کا ادبی خدمت گار تھا ایک سفتہ گوش تھا۔ یہ ضرور ہے کہ علامہ اسید راس مسعود کی طرح مجھ ناچیز پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ میرے لئے یہ فخر یہ عزت ایک بہت بڑے شاعر یا عظیم ادیب ہونے سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ بات کیا کم ہے کہ میرا محبوب محمد عربی کا غلام اور شاعر تھا۔ اور میں اس کا ادبی غلام تھا۔

اگر آپ بھوپال سے متعلق کوئی کتاب لکھ رہے ہوں تو مناسب مقام پر یہ میرا عریضہ بھی اس میں شامل کر دیجئے گا۔ تاکہ نہ زمانہ حال میں نہ آئندہ زمانہ میں میرے متعلق کسی کو کوئی غلط فہمی نہ ہونے پائے۔ والسلام

آپ کا مخلص

[illegible]

میں نے کئی بار مکتوب پڑھا رات کے سوا نو بج چکے تھے میں نے سوچا کہ ممنون صاحب انگریزی خبریں سن چکے ہوں گے اس لئے ان کے در دولت پر جا کر دستک دی۔ تھوڑی ہی دیر میں ممنون صاحب سیاہ کوٹ میں ملبوس تشریف لائے۔ دراز قد کشادہ چہرہ، ذہین آنکھیں اور نکلی ہوئی پیشانی، سر پر احتیاط سے جمے بال اور ہاتھوں میں سلگتا ہوا سگار۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کا مکتوب پڑھ لیا ہے کتاب کا نام تو "اقبال اور ممنون" ہی رہے گا اور حسب مراتب کا پورا پورا خیال رکھا جائے گا۔ مسودہ کا مطالعہ فرما لیجئے گا اور قابل اعتراض مواد خارج کرنے میں مجھ کو آسانی ہوگی۔ ممنون صاحب کہیں سے خوش خوش واپس آئے تھے ان کے اثبات جواب سے میری خوشی بھی دوبالا ہوگئی۔ میں نے عرض کیا کہ آپ مہربانی فرما کر اپنے خاندان آبائی وطن سے متعلق تفصیلات بیان فرمائیں۔ ممنون صاحب گویا ہوئے :

"میرا آبائی وطن شاہجہاں پور (یوپی) ہے
مغلیہ دور میں میرے آبا و اجداد افغانستان سے
ہندوستان تشریف لائے تھے میرے پردادا صاحب
نے پہلی جنگِ آزادی میں یعنی ۱۸۵۷ء میں نمایاں
حصہ لیا تھا انگریزوں نے ان کے خلاف بغاوت
کے مقدمات قائم کئے تھے بہت دنوں تک سرزمین
بھوپال نے ان کو پناہ دی جب وہ یہاں سے واپس
تشریف لے گئے تو انگریزوں نے آخرکار ان کو
گرفتار کر لیا اور پھانسی کے تختہ پر لٹکا دیا۔ میرے دادا صاحب
بڑے عالم دین تھے بھوپال چونکہ علم دین کا گہوارہ تھا
اس لئے ان کا قیام بھی بھوپال میں اکثر رہا کرتا تھا اور
یہاں درس تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ میں بچہ
ہی تھا جبکہ میرے والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ میں
اپنے ان گرامی بزرگوں کا خیال کر کے خود کو وارثِ
ننگِ اسلاف سمجھتا ہوں میرے بہت سے قریبی عزیز
سرکار بھوپال میں چھوٹے بڑے عہدوں پر رہے ہیں
اس طرح بھوپال سے ہمارے خاندان کا بہت گہرا
تعلق رہا ہے اور اس سرزمین کے ہم پر بہت سے
احسانات ہیں۔ میری بہن بھوپال ہی میں رہتی تھیں
میں بچپن سے ان کے پاس رہا۔ بھوپال کے کئی طلباء
نے میرے ساتھ لکھنؤ میں تعلیم پائی مثلاً مولانا عبید عمر
مرحوم جو بعد میں عربی کے نامور پروفیسر اور ادیب ہوئے
میاں محمد عرفان مرحوم جو بھوپال کے مؤرخ، ادیب،
خوش گو اور آرٹسٹ تھے۔ بعد میں بدر عالم صاحب کلکٹر ہوئے

ممنون حسن خاں صاحب بھوپال کے ذکرِ جمیل میں مشغول تھے، اور ان کے بھوپال اور اہلِ بھوپال سے حد درجہ لگاؤ اور تعلق کا مجھے تجربہ تھا۔ ان کی آنکھیں اور روشن ہوگئیں اور ان کا چہرہ اور زیادہ شاداب ہوگیا تھا وہ خاموش ہوئے تو میں نے ان کے خاندان اور ان کے اپنے بھوپال دربار کے متعلق اظہار خیال کی دعوت دی۔ وہ گہری سوچ میں ڈوب گئے اور جب ابھرے تو نوابی دور کا سورج ان کی پیشانی پر جگمگا رہا تھا۔

میرا تعلق گورنمنٹ عالیہ بھوپال سے دورِ حمیدی کے شروع ہونے سے چند سال بعد ہی قائم ہوگیا تھا اور نواب صاحب مرحوم کے تقریباً پورے دورِ حکومت کو میں نے دیکھا ہے۔ اس طویل عرصہ میں مجھے نواب حمید اللہ خاں صاحب مرحوم کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ حکومتِ بھوپال کے تقریباً ہر شعبہ سے میرا سرکاری طور پر تعلق رہا۔ نواب صاحب مرحوم کے دورِ حکومت میں معمولی عہدہ سے لیکر کمشنر اور سکریٹری کے عہدوں پر رہکر میں نے سرکاری خدمات انجام دیں۔ میں نے دورِ حمیدی کے بہت سے دربار دیکھے جو عام طور پر نواب صاحب مرحوم کی سالگرہ کے موقع پر ہوا کرتے تھے اور اس موقع پر ایک آل انڈیا مشاعرہ بھی ہوتا تھا۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ حکومتِ عالیہ بھوپال ایک باقاعدہ آئینی حکومت تھی جو قوانین کا احترام کرتی تھی۔ نواب حمید اللہ خاں صاحب مرحوم ایک آئینی فرمانروا تھے۔ ان کی ایک ایگزیکیٹو کونسل تھی جس میں ان کے تمام وزراء شامل ہوتے تھے۔ کونسل کا صدر وزیر اعظم ہوتا تھا۔ ایگزیکیٹو کونسل نواب صاحب کے سامنے جوابدہ ہوا کرتی تھی۔ ریاست بھوپال میں مجلس قانون ساز بھی تھی جو ۱۹۲۷ء میں قائم تھی۔

غرضیکہ ایک باقاعدہ حکومت تھی۔ عدلیہ انتظامیہ سے بالکل علیحدہ تھا۔ پرائمری تعلیم جبریہ طور پر دی جاتی تھی جس کے لئے قانون بنایا گیا تھا۔ ریاست میں فرقہ پرستی نہیں تھی ہندو مسلم سکھ عیسائی اتحاد مثالی تھا۔ رشوت ستانی بہت کم تھی۔ نواب صاحب مرحوم کی خدمتِ عالی میں حاضری دینے کا موقع سب سے پہلے اس وقت ملا جب علامہ اقبال ۱۹۳۵ء میں بھوپال تشریف لائے تھے اور سر سید راس مسعود مرحوم کے ذریعے علامہ موصوف کی ملاقات نواب صاحب سے ہوئی تھی۔ میں ان دنوں چونکہ سر سید راس مسعود مرحوم کا سکریٹری تھا اس لئے ان کے ساتھ مجھے بھی نواب صاحب کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا تھا۔

نواب صاحب مرحوم نے ہمیشہ میرے ساتھ بڑی مہربانی اور نوازش فرمائی، بڑی عزت افزائی فرمائی۔

میری رائے میں نواب صاحب مرحوم (بحیثیت انسان) نہایت شریف، حلیم اور خلیق انسان تھے۔ بہت ذہین سادہ مزاج۔ ادنیٰ سے ادنیٰ ملازم سے نہایت شرافت سے پیش آتے تھے۔ شاید انھوں نے کبھی کسی سے سخت بات نہیں کی تھی۔ ان کے مزاج میں تکبر نہ تھا۔ بزرگوں کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اپنی والدہ ماجدہ کی اس درجہ عزت کرتے تھے کہ مرحومہ کے انتقال کے بعد روزانہ ان کی قبر پر فاتحہ خوانی کیلئے جاتے تھے۔ یہ عمل آخر تک جاری رہا۔ میرے خیال میں یہ سب کچھ اسی بہترین تربیت اور تعلیم کا اثر ہوگا جو ان کی نامور والدہ نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ نے ان کو قابل ترین اصحاب کی نگرانی میں بھوپال میں اور علیگڈھ میں دلوائی تھی۔

نواب صاحب چونکہ ایک اعلیٰ درجہ کے کھلاڑی بھی تھے اسلئے ان کے کردار میں اور بھی بلندی پیدا ہوگئی تھی۔

نواب صاحب کی گورنمنٹ کے بارے میں پہلے عرض کرچکا ہوں۔ نواب صاحب نے ریاست بھوپال کی حکومت کو آئینی طور پر چلایا۔ حکومت کے کاموں میں بیجا طور پر داخلت نہیں کی۔ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور قانون داں فرمانروا ہونے کی وجہ سے انھوں نے بہت سی آئینی اصلاحات کیں۔ بیرونی اعلیٰ سیاست میں خاص طور پر مصروف رہنے کی وجہ سے وہ اپنی ریاست کے لئے اپنا سارا وقت نہیں دے سکتے تھے حالانکہ جہاں تک ممکن ہوا انھوں نے اپنی حکومت کے کاموں کیلئے زیادہ سے زیادہ وقت نکالنے کی برابر کوشش کی۔ اسی وجہ سے وہ صبح سے شام تک برابر کاموں میں مصروف رہتے تھے اور اپنی حکومت کو اپنا پورا پورا تعاون دیتے تھے۔

جیسا کہ میں عرض کرچکا ہوں نواب صاحب ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بڑے ذہین الشان تھے ان کی اعلیٰ تعلیم علی گڈھ کالج میں ہوئی تھی۔ علی گڈھ سے انھوں نے وہ سب کچھ سیکھا تھا جو علی گڈھ دے سکتا تھا۔ علی گڈھ کالج اس وقت مشرق کا آکسفورڈ (Oxford) تھا۔ آکسفورڈ کی طرح زندگی کا طریقہ (Way of life) سکھاتا تھا۔ اس لئے شعر و ادب سے بھی نواب صاحب کو دلچسپی تھی۔ انھوں نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں ہندوستان کے مایۂ ناز ماہر تعلیم اور ادیب ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری کو بھوپال بلایا اور ڈائرکٹر تعلیمات کے عہدہ پر مقرر کرایا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کا بھوپال ہی میں عین عالم جوانی میں انتقال ہوا۔

مفتی انوار الحق صاحب مرحوم سے غالب کا دیوان مرتب کرایا۔ نواب صاحب ہی نے غالب پر ایک لاجواب مضمون (محاسنِ کلامِ غالب) ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری سے لکھوایا تھا۔ جو ڈاکٹر صاحب کے انتقال کے بعد غالب کے اس دیوان میں شامل ہوا جس کو نواب صاحب نے مرتب کرایا تھا۔ اس دیوان کے لئے نواب صاحب نے خود "پیشِ لفظ" لکھا جو ان کے شعر و ادب سے دلچسپی کا ثبوت ہے۔ عمر خیام پر نواب صاحب ڈاکٹر بجنوری سے ایک کتاب لکھوا رہے تھے جو بجنوری مرحوم کے بے وقت اور اچانک انتقال کی وجہ سے مکمل نہ ہو سکی معلوم نہیں وہ نایاب (Manuscript) کہاں گیا۔ نواب صاحب مرحوم نے ڈاکٹر مسعود حسین Dr. Masood Hussain سے عمر خیام کی رباعیات کا ترجمہ کرایا تھا جو کتابی شکل میں شائع ہوا تھا۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب نواب صاحب شاہ زادے تھے فرمانروا نہیں ہوئے تھے۔ نواب ہونے کے بعد اور خاص طور پر سر مسعود کے دورِ ایام بھوپال میں نواب صاحب نے ادب کی خاصی خدمت کی۔

مسعود کے کارناموں کے بارے میں میں اپنے ذاتی علم کی بنا پر عرض کر سکتا ہوں۔ نواب صاحب نے سر راس مسعود کی سفارش پر علم و ادب کی ترقی کیلئے بہت سی اہم خدمات انجام دیں۔ عبدالرحمن چغتائی کو ان کے دیوان غالب مصور کے لئے گراں قدر رقم عطا فرمائی۔ رقم کتنی تھی یہ تو یاد نہیں لیکن یہ کہہ سکتا ہوں کہ کافی رقم دی گئی تھی۔ حالی صد سالہ جوبلی کے موقع پر نواب صاحب سر راس مسعود کے ساتھ خود پانی پت تشریف لے گئے تھے اور انھوں نے حالی کے

میموریل اسکول میں اردو کی ترقی کیلئے تیس ہزار روپے عنایت فرمائے تھے۔

الٰہ آباد یونیورسٹی نے جہاں سے نواب صاحب نے بی اے پاس کیا تھا نواب صاحب کو کانووکیشن ایڈریس دینے کے لئے مدعو کیا تھا۔ اس موقع پر اردو اور فارسی کے شعبہ جات کیلئے نواب صاحب نے بیس ہزار روپے اپنے جیب خاص سے عطاء فرمائے۔ کلکتہ یونیورسٹی میں اردو فارسی کے شعبہ جات کی ترقی کے لئے سر راس مسعود کی سفارش پر تیس ہزار روپے عطاء فرمائے۔

اعظم گڈھ میں علامہ شبلی نعمانی کے قائم کردہ ادارے کے لئے خاص مالی امداد فرمائی۔ ڈاکٹر رابندرناتھ ٹیگور کے مشہور ادارے شانتی نکیتن میں اردو فارسی کے ایک عالم کو اردو میں ایک کتاب لکھنے کے لئے پندرہ ہزار روپے عطاء فرمائے۔ جب میں گرو دیو کی خدمت میں شانتی نکیتن گیا تھا تو خود گرو دیو نے اس مدد کے لئے نواب صاحب کی بڑی تعریف کی تھی۔ تو مسلم یونیورسٹی ٹرسٹ مسلم (ڈاکٹر لیوپولڈ وائس) کو کثیر رقم صرف کر کے ایک بہت عمدہ اور مکمل پریس خرید کر دیا تھا تاکہ وہ صحیح بخاری کے تراجم کو اس میں چھاپ سکیں۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں اردو کی ترقی کے لئے ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کو بھی نواب صاحب بھوپال سے برابر مدد پہنچتی رہتی تھی۔ علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کو نواب صاحب اور ان کی نامور والدہ محترمہ نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ مرحومہ برابر مدد فرمایا کرتی تھیں۔ اس میں

بھی شامل ہے۔ جو اردو فارسی اور عربی شعبہ جات کے لئے دی گئی تھی۔

جب سر راس مسعود حیدرآباد میں وزیر تعلیم تھے تو انھوں نے مراثی انیس کو علامہ طباطبائی مرحوم کے ذریعہ چھپوانے کا انتظام کیا تھا اور اس ادبی کام کے لئے سر راس مسعود نے نواب صاحب سے طباطبائی کو مالی امداد دلوائی تھی۔"

جناب ممنون حسن خاں تھوڑی دیر کے لئے خاموش پھر انھوں نے سگار کے دو تین کش لئے صوفہ پر پہلو بدلا اور ذہن پر زور دیتے ہوئے فرمانے لگے کہ۔

"میرے خیال میں سب سے بڑا علمی اور ادبی کام نواب صاحب کا یہ ہے کہ انھوں نے علامہ اقبال مرحوم کے لئے پانچ سو روپے ماہوار وظیفہ اس لئے مقرر کیا تاکہ علامہ موصوف قرآن حکیم کے متعلق اپنے افکار عالیہ کو کتاب کی شکل میں اطمینان کے ساتھ لکھ سکیں۔

آپ کو تعجب ہو گا کہ نواب صاحب سر راس مسعود کے کہنے پر اندور میں ایک ہندی یونیورسٹی کیلئے مالی امداد دینے کیلئے تیار ہو گئے تھے۔ لیکن سر راس مسعود کے اچانک انتقال کی وجہ سے وہ منصوبہ پایہ تکمیل کو نہ پہونچ سکا ورنہ سب سے پہلے اندور میں ہندی یونیورسٹی قائم ہوتی یہ بات بہت سے لوگوں کے علم میں ہوگی۔

جہاں تک اردو کے بیشتر شاعروں اور ادیبوں کی قدر دانی کا تعلق ہے تو نواب صاحب نے انفرادی طور پر بھی [illegible] شاعروں اور ادیبوں کی امداد فرمائی تھی

یہ زیادہ تر سر راس مسعود کے دوران قیام بھوپال
میں ہوا۔

نواب صاحب کی سالگرہ کے موقع پر جو آل انڈیا
مشاعرہ ہوتا تھا اس میں ہندوستان کے چوٹی کے شعراء
حصہ لیتے تھے۔ مجھے جو نام اس وقت یاد آرہے ہیں وہ
عرض کرتا ہوں ـــــــ سیماب اکبرآبادی، جگر مرادآبادی
جوش ملیح آبادی، حفیظ جالندھری، احسن مارہروی،
آنند نرائن ملا، روش صدیقی، ساغر نظامی اور شانتی
سروپ بھٹناگر جو ایک بہت بڑے سائنسداں ہونے کے
ساتھ ساتھ ایک بہت اچھے شاعر بھی تھے ان کے علاوہ
اور بہت سے بڑے شعراء بھی تشریف لاتے تھے
جن کے نام اس وقت مجھے یاد نہیں آرہے"

جناب ممنون حسن خاں صاحب خاموش ہوئے تو ہم
نے اقبال اور راس مسعود کے علاوہ ان کے سامنے بھوپال تشریف لانے والے
ادیبوں کے نام بتانے کی زحمت دی۔ سگار بجھ چکا تھا اس کی راکھ جھاڑتے ہوئے
اور دوبارہ سلگاتے ہوئے انھوں نے سلسلۂ کلام جاری رکھا۔

"نیاز فتحپوری، مولوی عبدالحق، سر عبدالقادر
ڈاکٹر ذاکر حسین، خواجہ غلام السیدین، ڈاکٹر عابد (جو
بھوپالی ہی کے تھے) ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو، امتیاز
علی تاج، سید ہاشمی فریدآبادی، سید حامد حسین قادری
ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، قاضی عبدالغفار، غلام رسول مہر
سالک صاحب، قاضی عبدالحمید، ڈاکٹر سید عابد علی،
محمود علی خاں جامعی اور محمد علی جوہر کے علاوہ بہت
سے مشہور ادیب بھوپال تشریف لائے تھے۔ [illegible]

ان تمام شاعروں اور ادیبوں سے ذاتی طور پر ملنے کی
عزت حاصل ہوئی یوں تو ان تمام حضرات نے مجھ پر کرم
فرمایا لیکن جن سے میرے ذاتی تعلقات قائم ہوئے ان
میں ڈاکٹر سر محمد اقبال، مولوی عبدالحق، ڈاکٹر ذاکر حسین
خاں، سر راس مسعود، علامہ سلیمان ندوی، خواجہ غلام
السیدین، ڈاکٹر سید عابد حسین، سید فرید ہاشمی، ڈاکٹر
خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر سید عابد علی، سر عبدالقادر،
شانتی سروپ بھٹناگر، جگر مراد آبادی، حفیظ جالندھری
اور احسن مارہروی تھے۔

جن ادیبوں اور شاعروں سے ممنون حسن خاں کے ذاتی
تعلقات تھے ان کی تعداد کم نہیں تھی اس کے علاوہ وہ ادیب و شاعر بھی کم اہم
نہیں تھے جو ان کے سامنے آئے تھے۔ ان میں سے ہر ادیب و شاعر کے بارے میں
بہت سی باتیں دریافت کی جا سکتی تھیں جو دوسروں کے علم میں نہ تھیں میں نے
عرض کیا کہ دوسرے ادیبوں اور شاعروں کے بارے میں آپ کو بعد میں زحمت دوں
گا۔ اس وقت آپ اقبال، سر راس مسعود، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا سید
سلیمان ندوی سے ملاقات کی تفصیلات عنایت کریں۔ اس سے پہلے کہ کچھ معلوم
ہو ایک خادم فریج میں رکھی پانی کی ٹھنڈی بوتل اور دو گلاس میز پر رکھ گیا میں
نے گلاس میں پانی بھرا اور ایک گلاس ممنون صاحب کی خدمت میں پیش کیا شکریہ
کے ساتھ انھوں نے گلاس قبول کیا۔ دو تین گھونٹ کے بعد انھوں نے دستی سے
ہونٹوں کے کنارے خشک کئے اور فرمایا کہ:۔

"مولانا محمد علی جوہر کا بھی بھوپال سے خاص تعلق
رہا تھا۔ خاص طور پر ان دنوں جب مولانا راؤنڈ ٹیبل
کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن جانے والے تھے مولانا
نواب صاحب کے پاس تشریف لائے تھے اور بھوپال آکر

علیل ہو گئے تھے کافی دنوں تک قیام فرمایا تھا۔ اور
یہیں سے سیدھے لندن تشریف لے گئے تھے۔ مولانا اور
میرے خاندان کے بہت اچھے تعلقات تھے اس لئے مولانا
ناچیز پر بڑی مہربانی فرماتے تھے۔ جب انھیں معلوم ہوا
کہ بھوپال ہی میں ہوں تو مجھے بلوایا اور فرمایا کہ کام بہت
زیادہ ہے اور علالت کی وجہ سے کام جب تک کوئی سکریٹری
نہ ہو، پورا نہیں ہو سکے گا۔ میں نے عرض کیا کہ میں خود ہر
خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ چنانچہ مولانا کی بھی خط و کتابت
اس زمانہ میں گاندھی جی، وائسرائے اور سکریٹری آف اسٹیٹ
سے ہوئی وہ سب میرے ہی ذریعہ ہوئی میں نے بہت کچھ
انگریزی مولانا محمد علی صاحب کی خدمت میں رہ کر سیکھی مولانا
مجھے اپنے ساتھ بطور سکریٹری ولایت لے جانا چاہتے
تھے لیکن میری والدہ ماجدہ ان دنوں سخت علیل ہو گئیں
اور میں مولانا کی خدمت کرنے کیلئے ان کے ساتھ ولایت
نہ جا سکا جس کا مجھے تا زندگی افسوس رہے گا۔ میں کیا
کہوں کہ میرے مولانا سے ذاتی تعلقات کیسے تھے بلکہ میں
یوں کہوں گا کہ میں تو ان کا ادنیٰ خادم اور کفش بردار
تھا اور وہ مجھے بالکل اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے
امجدی بیگم محمد علی اور مولانا کی صاحبزادی گلنار بیگم (بیگم
شعیب قریشی) تا زندگی مجھے اپنا قریب ترین عزیز سمجھتی رہیں۔

مولانا محمد علی جوہر کے بعد مولانا سید سلیمان ندوی
کے بارے میں ممنون صاحب نے ارشاد فرمایا کہ:

علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم جب تک
بھوپال میں بطور قاضی ریاست رہے میں برابر ان کا کفش بردار

65873

کرتا رہا مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ علامہ موصوف نے مولانا روم اور اقبال کے بعض اشعار مجھے سمجھائے اس طرح مولانا مرحوم میرے استاد بھی تھے اور کرم فرما بھی آخری وقت تک میرے ان سے خصوصی تعلقات رہے جس پر مجھے فخر ہے۔ انہی دنوں مولانا محمد علی جوہر جبلپور جیل میں قید تھے انہوں نے مولانا سلیمان ندوی کی خدمت میں جواب کے لئے سوال نامہ روانہ کیا تھا۔

میں نے ممنون صاحب کو یاد دلایا کہ پروفیسر شیخ عطاء اللہ کی ملاقات جو کہ ہے اور اقبال نامہ جلد اول میں آپ کا ذکر جمیل بھی موجود ہے ان سے ملاقات اور تعلقات واضح فرمائیں۔ ممنون صاحب مسکرائے، عقابی آنکھوں کو گھما کر بند کیا چند منٹ یاد کرتے فرمانے لگے:

پروفیسر شیخ عطاء اللہ سے میری پہلی ملاقات علی گڑھ میں اقبال [illegible] سید راس مسعود کے دفن کے موقع پر پہلی بار [illegible] سید راس مسعود کا انتقال پر ملال ۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء کو بھوپال میں ہوا تھا اور رسوم کے مطابق میں بھی ان کے جنازے کو بھوپال سے علی گڑھ لے گیا تھا۔ جہاں ان کو یونیورسٹی مسجد کے احاطے میں ان کے مشہور عالم دادا اور نامور باپ کی قبروں کے درمیان دفن کیا گیا میرے ساتھ حسن محمد حیات صاحب اور بھوپال کے مایہ ناز آرٹسٹ عبدالحلیم صاحب انصاری بھی علی گڑھ گئے تھے۔

دفن کے بعد رات کو جب میں سر سید راس مسعود کی والدہ محترمہ کے ساتھ محمود منزل میں قیام پذیر تھا تو بہت سے پروفیسر صاحبان مجھ سے ملنے محمود منزل آتے تھے ان کے ساتھ شیخ عطاء اللہ بھی تھے رنج و الم سے بالکل نڈھال

ہونے کی وجہ سے میری حالت بہت خراب تھی اور مجھے
بالکل یاد نہیں کہ اس وقت کیا گفتگو ہوئی تھی اتنا
ضرور یاد ہے کہ عطاء اللہ صاحب مجھے اپنے ساتھ اپنے
مکان اپنے پر لے گئے تھے اور انھوں نے میری بہت
دلجوئی کی تھی۔ اس کے بعد علامہ اقبال کے انتقال
کے بعد پروفیسر شیخ عطاء اللہ نے اقبال کے خطوط جمع
کرنا شروع کئے تو انھوں نے مجھے لکھا کہ اس کام میں ان
کی مدد کروں اور علامہ موصوف کے خطوط کی نقلیں انھیں
فراہم کردوں تاکہ وہ ان کو خطوط اقبال کے مجموعے میں
شامل کرلیں۔ اس کے بعد عطاء اللہ صاحب خود بھوپال
تشریف لائے اور شعیب قریشی صاحب کے یہاں قیام پذیر
ہوئے مجھ سے ملنے وہ میرے غریب خانہ پر تشریف لائے
میں نے ان کی خدمت میں علامہ کے خطوط پیش کئے۔ چونکہ
ان کو اسی دن علی گڑھ واپس جانا تھا۔ اسلئے وہ میرے
خطوط اپنے ساتھ لے گئے اور بعد میں "اقبال نامہ" شائع
ہوا تو اس میں انھوں نے تمام خطوط شامل کردئے۔ مجھے
اب تک ان کی سادگی، متانت، سنجیدگی، نرم گفتگو،
اور گرم جستجو اچھی طرح یاد ہے۔ سر راس مسعود اور علامہ
اقبال سے میری قربت کی وجہ سے وہ مجھ سے انتہائی مہربانی
اور محبت سے پیش آتے تھے اور مجھ پر ان کی پرخلوص شخصیت
کا بہت اثر پڑا تھا۔"

ممنون صاحب نے عطاء اللہ صاحب کے ذیل میں شعیب
صاحب کا ذکر کیا تھا اور اس وقت میں نے قطع کلام مناسب نہیں سمجھا تھا۔
جب وہ خاموش ہوئے تو میں نے انھیں شعیب قریشی صاحب کے بارے میں زحمت

———— انھوں نے فرمایا کہ :۔

" عالی مرتبت شعیب قریشی ایم اے (آکسن) بار ایٹ لا مہاتما گاندھی کے خاص الخاص ساتھیوں میں سے تھے۔ جب گاندھی جی جیل گئے تھے تو انھوں نے شعیب صاحب کو اپنے سابرمتی آشرم کا نگراں بنایا تھا۔ اور اپنے اخبار " ہریجن " کو بھی شعیب صاحب کے سپرد کیا تھا۔ شعیب صاحب نے گاندھی جی کی عدم موجودگی میں " ہریجن " کو ایڈٹ کیا تھا آزادی سے پہلے جب پنڈت موتی لال نہرو کی قیادت میں آزاد ہندوستان کے آئین کو ترتیب دینے کے لئے آل پارٹیز کانفرنس مقرر کی گئی تھی تو اس کمیٹی کے ایک رکن قریشی صاحب بھی تھے۔ اور جب پنڈت جواہر لال نہرو نے آزادی سے پہلے کمیٹی برائے منصوبہ بندی (نیشنل پلاننگ کمیٹی) مقرر کی تو شعیب قریشی بھی اس کے ایک رکن تھے بعد میں قریشی صاحب نواب بھوپال کے پرائیویٹ [illegible] آئے شعیب صاحب کو انگریزی زبان پر زبردست عبور حاصل تھا۔ علامہ اقبال نے انھیں ۱۱ جون ۱۹۲۰ء کو ایک اہم خط لکھا تھا۔"

ممنون صاحب نے آخری جملہ ادا ہی کیا تھا کہ مہمانوں کی آمد شروع ہوگئی، بزرگ شاعر وکیل بھوپالی تشریف لے آئے، پھر نوجوان شاعر بختیار ضیا بھی آگئے۔ اقبال اور کلام اقبال کا ذکر چھڑ گیا۔ کل ہند جشن اقبال دہلی اور مدھیہ پردیش اردو اکیڈمی بھوپال کی تقریبات اور کل ہند مشاعرے اور مذاکرے زیر بحث آگئے۔ ممنون صاحب بہت مصروف ہیں نہ تو وہ دہلی تشریف لے جا رہے ہیں اور نہ ہی بھوپال کے جلسے میں مقالہ پڑھ رہے ہیں۔ دونوں صاحبان تشریف لے جاتے ہیں ان کے بعد چند طلبا، ممنون صاحب سے استفادہ کے لئے آجاتے ہیں گفتگو کا سلسلہ ٹوٹ چکا ہے۔ باہر [illegible] جا اچھا ہوا ہے۔ میں اجازت لے کر اٹھتا ہوں

باہر آتا ہوں تو مدرسہ کے میناروں پر ڈوبتے سورج کے کئی رنگ اترتے اور چڑھتے دیکھتا ہوں۔ شیش محل اور قدسیہ محل کے درمیان سے گزرتا ہوں اور ان دنوں کو یاد کرتا ہوں جب اقبال کے شیدائی شوقِ دیدار میں اس کوچے کے چکر لگایا کرتے تھے۔

کئی دن کئی ہفتے اور کئی مہینے گزر گئے بات آگے نہیں بڑھ پائی۔ ذکرِ اقبال کی محفلیں کئی بار سجیں۔ اقبال لائبریری میں ختمِ قرآن سے اقبال کی برسی یاد کی گئی آفتابِ جدید کی اشاعت شروع ہوئی۔ اشتیاق عارف کی ادارت میں اخبار ترقی کرتا ہے۔ معیاری مضامین کے ساتھ غیر معیاری مضامین بھی شائع ہوتے ہیں۔ بھوپال کی ادبی زندگی میں نئی صف آرائیاں ہوتی ہیں۔ دشمن دوست اور دوست دشمن بنتے رہتے۔ اشتیاق عارف سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ ان کی حمایت میں صحافیوں کی انجمن مظاہرہ کرتی ہے اور مختلف اداروں انجمنوں اور افراد کی خواہش پر محزون صاحب سہ رکنی ادارہ کا ممبر ہونا قبول فرما لیتے ہیں۔ ساری ذمہ داری انھیں کے سر آجاتی ہے۔ وہ تقریباً ۸۰ صفحات کی رپورٹ تیار کرتے ہیں۔ ان کی کوششیں ضائع نہیں جاتیں اور اشتیاق عارف کامیابی حاصل کر لیتے ہیں میں مفتون صاحب کا اہلِ بھوپال کی طرف سے شکریہ ادا کرتا ہوں تو سر راس مسعود کی تصویر کی طرف دیکھتے ہیں، آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں:

"عزیزم میں نے ان آنکھوں سے بہت کچھ ہوتے ہوئے
دیکھا ہے یہ تو کچھ بھی نہیں"

غرض صبح کے بعد شام اور شام کے بعد کئی شب تک، اوقات میں مخل رہتی تھی۔ میرا تحقیقی کام آگے نہ بڑھتا۔ پھر ایک دن خوش نصیبی سے مجھے بڑا اچھا موقع میسر آیا۔ بادل برس کر ڈھل چکے تھے۔ سرد ہواؤں کے جھونکے کمرے کے اندر گھس آرہے تھے۔ موسم خوشگوار تھا اور مفتون صاحب بھی خوش خوش دکھائی دے رہے تھے۔ ان کے ہاتھ میں صہبا لکھنوی صاحب کا خط تھا۔ میں سمجھ گیا کہ آج وہ اور بھوپال کے کسی پوشیدہ گوشے پر سے پردے اٹھا رہے ہوں گے۔ میں نے وقت

کو ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا اس لئے میں نے عرض کیا کہ "سر راس مسعود کی کون سی عادت آپ کو سب سے زیادہ پسند تھی ؟" فرمایا کہ :-

ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنا ۔

میں نے پھر عرض کیا کہ عرصے سے میری گذارش پر توجہ نہیں دی جا رہی ہے ۔ جواب میں معصوم قہقہہ بلند ہوا تو میں نے کاغذ قلم سنبھالا اور سر راس مسعود کے بارے میں ایک نہیں کئی سوالات کر ڈالے ۔ ممنون صاحب نے اپنے جواب میں تمام سوالات کو سمیٹ لیا ۔

" ڈاکٹر سر راس مسعود دسمبر ۳۴ ۱۹ء میں بھوپال تشریف لائے تھے ۔ ان کا قیام بھوپال میں کم عرصہ رہا بھوپال ہی میں ۲۹ جولائی ۱۹۳۷ء کو ان کا انتقال ہوا شعیب قریشی صاحب، جسٹس محمد حیات صاحب، اور جناب عبدالحلیم صاحب انصاری صاحب ، اور خاکسار نے ان کا جسم خاکی بھوپال سے علی گڑھ لے جا کر دفن کیا ۔

سر راس مسعود کا بھوپال میں تشریف لانا اہل بھوپال کے لئے دراصل باعث رحمت تھا ۔ یہ تو صرف نواب صاحب مرحوم کی شخصیت تھی کہ سر راس مسعود ایسا نامور اور بڑا آدمی بھوپال آنے پر رضامند ہو گیا تھا ۔ جب تک سر راس مسعود بھوپال میں رہے ہیں ان کے سکریٹری کی حیثیت سے برابر ان کے ساتھ رہا اور اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ شاید ہی کوئی ایسا دن گزرا ہو جبکہ سر سید ثانی مرحوم نے کسی نہ کسی طرح کسی نہ کسی کی مدد خود نہ فرمائی ہو یا نواب صاحب سے نہ کرائی ہو ۔ آپ کو تعجب ہوگا کہ وہ اپنے ذاتی جیب سے تقریباً دو ہزار روپے ماہوار کے وظائف اور امداد سے طلبا اور طالبات کو نوازتے تھے ۔ یہ مدد بلا لحاظ مذہب و

مدت ہوتی تھی۔ اللہ کی مدد کے راستے اگر قلم بند کئے جائیں تو قصے اور کہانیاں معلوم ہوں بقول علامہ اقبال

"مسعود صاحب بادِ صبح کی طرح بہت تھوڑے عرصے کے لئے اس دنیا میں تشریف لائے تھے اور گلوں کو آب و رنگ دے کر اس دار فانی سے رخصت ہو گئے"!

علامہ اقبال نے بہت ٹھیک فرمایا تھا کہ:

"مسعود صاحب نے اپنے دادا کا دل اور باپ کا دماغ پایا تھا۔ ان کی وفات علم و ادب کا زوال تھی"

زوالِ علم و ہنر مرگِ ناگہاں اس کی!
وہ قافلے کا متاعِ گراں بہا مسعود

میں نے اور خواجہ غلام السیدین صاحب مرحوم نے علامہ اقبال صاحب سے درخواست کی تھی کہ وہ مسعود صاحب کے کتبۂ مزار کے لئے اشعار عنایت فرمائیں۔ علامہ نے اشعار اپنے کتبۂ مزار کے لئے کہے تھے وہ مسعود صاحب کے کتبۂ مزار کے لئے لکھ کر مجھے بھیج دئے اور ہم نے وہی اشعار مسعود صاحب کے سنگ مزار پر لکھوائے۔ جس خط کے ذریعہ علامہ مرحوم نے وہ اشعار میرے پاس ارسال فرمائے تھے وہ علامہ کے دوسرے خطوط کے ساتھ "اقبال نامہ" کی جلد اول میں شائع ہو چکے ہیں۔

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مسعود صاحب تو اتنے بڑے آدمی تھے کہ وہ بھوپال میں کسی طرح سما نہیں سکتے تھے یہاں آ کر اور یہاں کی تعلیم کی حالت دیکھ کر ان کی دلی خواہش تھی کہ بھوپال میں ایک بڑا کالج بنایا جائے عربی

فارسی اور تکنیکی تعلیم کے لئے علیحدہ علیحدہ انتظام ہو چنانچہ انھوں نے سب سے پہلی فرصت میں ان کالجوں کے قیام کے لئے منصوبے تیار کر دئے تھے جن کو خود میں نے، ان کے سکریٹری کی حیثیت سے ان کی ہدایات کے مطابق لکھا تھا ہماری بدقسمتی تھی کہ نواب صاحب ولایت میں تھے اور اس وقت واپس آئے جب سر راس مسعود اس دار فانی سے کوچ فرما چکے تھے۔

سر راس مسعود کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے سب کام بگڑ گیا۔ یہ اتنا بڑا المیہ ہے کہ جب میں اس کا خیال کرتا ہوں تو میرے آنسو نکل آتے ہیں۔"

یہ کہتے کہتے ان کی آواز بھرّا ئی، آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ میں نے قلم روک لیا۔ دیر تک خاموشی طاری رہی۔ پھر انھوں نے جیب سے سفید رومال نکال کر آنکھیں خشک کیں، گلا صاف کیا اور گفتگو جاری فرمائی۔

عزیزم! کاش سر راس مسعود کی خواہش کے مطابق اس وقت بھوپال میں کالج قائم ہو جاتے تو آج بھوپالیوں کی حالت دوسری ہوتی۔

سر راس مسعود کا قیام بھوپال میں بہت کم عرصہ رہا۔ لیکن اس قلیل عرصہ میں بھی بہت سے اہم علمی اور ادبی واقعات ہوئے۔ کیا کیا عرض کروں لیکن میرے خیال میں ان کے دوران قیام بھوپال سب سے اہم واقعہ تو یہ ہے کہ انھوں نے نواب صاحب کو علامہ کے بہت قریب کر کے نواب صاحب کو زندۂ جاوید بنا دیا جس طرح گیٹے نے پرنس ویمر کو زندۂ جاوید کر دیا۔ اسی طرح علامہ اقبال نے نواب حمید اللہ خاں صاحب مرحوم کو علم و ادب

کی تاریخ میں ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا۔ اقبال نے نواب صاحب کو زبردست منظوم خراج عقیدت پیش کیا اور بال جبریل کا انتساب بھی ان کے نام کیا۔ کیا زمانہ کبھی نواب حمید اللہ خاں صاحب اور اقبال کے اس قریبی تعلق کو بھی فراموش کر سکے گا؟"

"یقیناً نہیں" میں نے عرض کیا اس کے ساتھ ہی کسی یادگار واقعہ کے بیان کے لئے انھیں زحمت دی۔ انھوں نے فرمایا:

ایک واقعہ سر راس مسعود سے متعلق یاد آتا ہے جو ان کے غیر معمولی حافظے سے متعلق ہے شاید وہ واقعہ عام لوگوں کے علم میں نہ ہو۔ میرے بزرگ دوست حامد سعید خاں حامد اور جناب عسکری صاحب وکیل کے بیچ سر راس کے حافظہ کا امتحان ہوا۔ حامد دادا مرحوم شاہنامہ فردوسی کے قریب قریب حافظ تھے اور عسکری صاحب مراثی انیس کے سر راس مثنوی مولانا روم کے حافظ تھے۔ ایک دن یہ طے پایا کہ کس کو زیادہ اشعار یاد ہیں چنانچہ حامد دادا اور عسکری صاحب کو ریاض منزل لے گیا۔ سب سے پہلے عسکری صاحب نے مراثی سنانا شروع کئے میں یہ گنتا گیا کہ انھوں نے کتنے شعر سنائے۔ اسی طرح حامد دادا مرحوم نے جب شاہنامہ کے اشعار سنانا شروع کئے تب بھی میں تعداد اشعار لکھتا گیا آخر میں سر راس مسعود کی باری آئی اور آپ تعجب کریں گے کہ انھوں نے "بشنو از نے چوں حکایت میکند" سے شروع کرکے تقریباً سیکڑوں اشعار زبانی فر فر سنا دئے جن کی تعداد حامد دادا اور عسکری صاحب کے اشعار سے زیادہ تھی۔ اس طرح میدان سر راس مسعود

کے یاد تھا رہا۔ حقیقتاً سر راس مسعود کی یادداشت
ایسی تھی جس کو انگریزی میں " فوٹوگرافک
میموری " کہتے ہیں انھوں نے اپنے نامور والد بزرگوار
کی طرح عجیب و غریب حافظہ پایا تھا۔

بھوپال میں تو سر راس مسعود سب ہی بھوپالیوں
سے بڑی محبت فرمایا کرتے تھے لیکن خاص طور پر وہ جناب
عبدالحلیم انصاری کو بہت پسند فرماتے تھے ان کے آرٹ
سے بہت متاثر تھے اور ان کو عبدالرحمٰن چغتائی سے
کسی طرح کم نہیں سمجھتے تھے۔ اسی طرح وہ بھوپال کے
ایک صاحب دل بزرگ حکیم الدین صاحب مرحوم سے
بہت متاثر تھے۔ مولوی صاحب فارسی اور عربی کے جید
عالم تھے اور سید صاحب اس وجہ سے ان کی بڑی قدر
فرماتے تھے۔ مجھے یہ فخر ہے کہ میں نے مولوی صاحب مرحوم
سے پھر سے فارسی پڑھی تھی۔ حکیم الدین صاحب کے علاوہ
حضرت مائل لکھنوی کو بھی سید صاحب بہت پسند فرماتے
تھے اور مائل ہی صاحب سے انھوں نے دیوانِ تحریر ترتیب
کرایا تھا۔

میں نے ابھی اپنا کام پورا بھی نہیں کیا تھا کہ برادر عزیز
فتح اللہ خاں کے دونوں صاحبزادے ممنون صاحب کے پوتے دوڑتے ہوئے کمرے میں
داخل ہوئے اور ممنون صاحب سے لپٹ گئے۔ ممنون صاحب نے انھیں باری باری
سے پیار کیا اور اپنے پاس بٹھا لیا۔ پھر گرم گرم چائے آگئی۔ چائے پیتے پیتے میں نے
گھڑی پر نظر ڈالی چھ بج رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اب ممنون خاں مجو میاں (مظفر
علی خاں) کے پاس تشریف لے جائیں گے جہاں شہر کے باذوق حضرات
موجود ہوں گے۔ چائے پی کر میں نے اجازت حاصل کی۔ ممنون صاحب باہر تک تشریف

لائے اور دعاؤں کے ساتھ رخصت فرمایا اور میں نظام قریشی صاحب کے دولت کدہ کی طرف مڑ گیا۔

ممنون صاحب بمبئی گئے ہوئے ہیں، ملاقات سے محروم ہوں وہ اپنی مقررہ تاریخ پر واپس آجاتے ہیں تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہوں۔ دن کے ساڑھے گیارہ بجے ہیں خبر کرتا ہوں تو اوپر بلا لیا جاتا ہوں۔ دیکھتا ہوں۔ ممنون صاحب بستر پر دراز ہیں۔ بھائی فتح اللہ بھی موجود ہیں۔ میں بابا سے سفر کے بارے میں دریافت کرتا ہوں تو وہ بمبئی کے سفر کی تفصیلات بیان فرماتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں آس پاس اقبالیات پر بہترین کتابیں قرینے سے رکھی ہوئی ہیں۔ یوسف حسین خاں کی گرانمایہ تصنیف "اقبال اور حافظ" زیر مطالعہ ہے پاس ہی دو نئی کتابیں رکھی ہوئی ہیں۔ میں اشتیاق کے ساتھ انہیں اٹھا لیتا ہوں شبنم رومانی کا شعری مجموعہ "جزیرہ" پہ تحریر ہے "غائبانہ عقیدت کے ساتھ محترم ممنون حسن خاں کے لئے۔ شبنم رومانی ۷ مارچ ۱۹۸۰ء اور تنویر سرمش کا شعری مجموعہ "شعلۂ مینا" کا انتساب تین صاحبان کے نام ہے۔ جن میں ممنون صاحب کا نام سرِ فہرست ہے۔

"جناب ممنون حسن خاں (بھوپال) کے نام جنہیں
شاعرِ مشرق علامہ اقبال کی صحبتوں سے فیضیاب ہونے
اور قیام بھوپال کے دوران ان کا پرائیوٹ سکریٹری رہنے
کا شرف حاصل رہا ہے"

اس مجموعہ کے پہلے صفحہ پہ تحریر ہے
برادر محترم و معظم جناب ممنون حسن خاں کی نذر
جو اقبال کے اس شعر کا مصداق نظر آئے۔

نرم دمِ گفتگو گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز

جن کے فیضِ کرم سے میرا ذوقِ حیات گراں شان ہوا۔
اور جنہیں میں نے ہمیشہ برادرِ معظم کے روپ ہی میں دیکھا
یاد کیے۔ دُوریوں میں اس نسبت سے یاد کرتا رہا ہوں
احقر العباد۔ تمکین سرمست۔ حیدرآباد (دکن) اے پی
سہ شنبہ یکم جمادی الآخر ۱۴۰۱ھ مطابق ۷ اپریل ۱۹۸۱ء

میں نظریں اٹھاتا ہوں تو پاپا لباس تبدیل کرنے جا چکے ہیں۔ ۱۲ بجنے والے ہیں اور معمول کے مطابق میز پر کھانا لگا دیا گیا ہے۔ پاپا اور بھائی فتح اللہ کے اصرار پر میں بھی کھانے میں شریک ہو جاتا ہوں۔ پاپا فتح اللہ سے کہیں زیادہ میرا خیال فرما رہے ہیں۔ بیچ بیچ میں میری پلیٹ میں مرغ کی قاش میں سے کچھ نہ کچھ اضافہ فرما دیتے ہیں۔ ان کے خلوصِ بے پایاں سے گھبرا رہا ہوں ورنہ کھانا تو مجھے اپنا نہیں معلوم ہو رہا۔

کھانے سے فارغ ہو کر ہم سب آرام کرسیوں پر آ بیٹھے ہیں۔ پاپا نے میرے لیے چائے بنوا دی ہے۔ وہ سگار سلگا کر کچھ کاغذات ٹھیک کرنے لگے ہیں۔ میں عجلت سے چائے ختم کر کے اٹھ کھڑا ہوتا ہوں، جانتا ہوں کہ اب پاپا معمول کے مطابق نکل جائیں گے بڑی بیگم صاحبہ کی خدمت میں سلام پیش کرنے۔ پاپا میرے ساتھ نیچے آتے ہیں اور اتوار کی صبح جلد آنے کی تاکید فرماتے ہیں پھر وہ سڑک پار کر کے اپنی کار تک پہنچتے ہیں، کار کا لاک کھولتے ہیں تو میں بڑھ کر ان کے لیے دروازہ کھولتا ہوں وہ شکریہ کا سلام کرتے ہیں اور گاڑی میں بیٹھ کر پوچھتے ہیں "تمہیں گھر تک چھوڑ دوں"۔ میں شکریہ ادا کرتا ہوں سلام کرتا ہوں۔ کار آگے بڑھ جاتی ہے۔ زمانہ آگے بڑھ جاتا ہے۔ کچھ لوگ آج بھی پرانے زمانے کی قدروں کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ شاہی خاندان اور بیگم بھوپال کے کتنے یہاں نمک خوار باقی ہیں؟ جب انعام و اکرام ہی کی کوئی امید نہیں تو کون چکر لگائے اجڑے دیاروں کا؟ سردی ہو یا گرمی برسات ہو یا آندھی ممنون صاحب معمول کے مطابق اس در پہ حاضری دیتے ہیں جس سے مرحوم ہوا وہ وابستہ تھے

——— اور اپنی آخری سانس تک وابستہ رہیں گے۔

پھر آوار آیا اور میں کاغذات سنبھالے اپنے جانے پہچانے سفر پر روانہ ہوا۔ ممنون صاحب کو میری آمد کی خبر ہوئی تو فوراً ڈرائنگ روم میں تشریف لے آئے۔ بہترین لباس میں ملبوس تھے۔ میں انھیں دیکھتا رہا تو انھوں نے فرمایا ملاقاتیوں سے مناسب لباس میں ملنا ہے ورنہ اس سے ان کی توہین ہوتی ہے۔ میں مسکرا دیا کہ جانتا تھا ممنون صاحب خوش لباس ہیں اور خوشنما لباس پسند فرماتے ہیں۔ ڈرائنگ روم میں آتے وقت لباس کا خصوصی خیال فرماتے ہیں۔ ممنون صاحب میرے تحقیقی کام میں تعاون کے لئے تیار تھے۔ میں نے اقبال کے بھوپال میں قیام سے متعلق بہت سے سوالات کر ڈالے تو انھوں نے فرمایا کہ میں آپ کے متوقع سوالات کے بارے میں رات گئی دیر تک سوچتا رہا ہوں عرض کرتا ہوں آپ نوٹ فرماتے جائیے۔

علامہ اقبال میرے سامنے پہلی بار جنوری ۱۹۳۵ء میں تشریف لائے تھے اور ۶ مارچ ۱۹۳۵ء تک راس مسعود کے دولت کدہ ”ریاض منزل“ میں مقیم رہے تھے۔ لاہور سے وہ پہلے ایک جلسہ کی صدارت کیلئے دہلی تشریف لے گئے تھے اور وہاں سے سیدھے بھوپال آئے تھے۔ دہلی میں انھوں نے ترکی کی مشہور خاتون خالدہ ادیب عدنان کے ایک لکچر کی جامعہ ملیہ اسلامیہ میں صدارت فرمائی تھی۔ خاتون محترم مصطفےٰ کمال کی وزارت میں وزیر تعلیم رہ چکی تھیں۔ اور اسلامی تہذیب و تمدن پر چند خطبات دینے کے لئے دہلی تشریف لائی تھیں۔

دوسری بار حضرت علامہ ۲ر جولائی ۱۹۳۵ء کو بھوپال تشریف لائے تھے اور تقریباً دو ماہ سے کچھ کم ان کا قیام شیش محل میں رہا تھا۔ اس بار میاں

جاوید بھی ان کے ساتھ تھے۔

تیسری بار وہ شروع مارچ ۱۹۳۶ء میں بھوپال تشریف لائے تھے۔ شیش محل میں قیام فرمایا تھا اور ۸ راپریل ۱۹۳۶ء کو واپس تشریف لے گئے تھے۔

بھوپال میں علامہ اقبال نے جو کلام معجز بیان ارشاد فرمایا اس کے عنوان حسب ذیل ہیں۔

صبح، سلطانی، تصوف، وحی، مومن، امرائے عرب سے، مقصود، حکومت، نگاہ، ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام، جمعیت اقوام مشرق، مسولینی اور بحضور رسالت مآب صلعم کے چند اشعار اور قرآن کریم کے متعلق تصنیف کے بعض حصے۔

علامہ نے اپنے قیام بھوپال کے دوران بہت سے اہم علمی اور ادبی مسائل پر اظہار خیال فرمایا تھا۔ اور بہت سے مشہور عالم شخصیتوں کی بابت بہت نئی باتیں بتائی تھیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:-

قرآن حکیم اور فلسفۂ جدید۔ انا اور تخلیق۔ زبان و مکاں فقر کیا ہوتا ہے۔ آرٹ۔ مسئلہ وطنیت۔ خدا انسان اور شیطان۔ گاندھی۔ تصوف۔ ٹیپو سلطان۔ کارل مارکس۔ ابن خلدون اور تاریخ۔ شری شنکر آچاریہ اور گیتا۔ عبدالکریم جیلی اور اس کی مشہور کتاب فتوحات مکیہ ۔ دانتے اور اس کی مشہور کتاب ڈوائن کمیڈیا۔ فردوسی اور اس کا شاہنامہ۔ گوئٹے اور اس کا مشہور کلام

ڈراما فاؤسٹ اور اس کا دیوان "سلام مغرب"
ملٹن اور اس کی فردوس گم گشتہ - مولانا جلال الدین
رومی اور ان کی مثنوی - علامہ ابن جوزی اور مسئلہ ہمہ
اوست - بوعلی سینا - ابونصر فارابی - افلاطون اور اس
کے فلسفہ کا اثر - شیخ اکبر محی الدین ابن عربی امسان کی
تفسیر کبیر - نطشے اور اس کا فوق البشر - برگساں
پٹوتی - ہائینا - کانٹ شوپن ہار -

علامہ کے بھوپال قیام میں ان سے سیکڑوں لوگ ملے تھے - کیونکہ ان کا دروازہ ہر ایک کے لئے کھلا ہوا تھا - ہر شخص چھوٹا بڑا ان سے مل سکتا تھا - اگر ان اصحاب کی فہرست بیان کی جائے جو یہاں ان سے ملے تھے تو وہ بہت طویل ہوگی - اس لئے اس وقت میں ان خاص خاص اصحاب کے نام بتلا رہا ہوں جو ان سے ملے تھے -

بھوپال کے خاص خاص جن حضرات سے انھوں نے ملاقات فرمائی تھی ان کے نام ہیں :-

نواب حمید اللہ خاں، بیگم شاہ بانو میمونہ سلطان نواب زادی عابدہ سلطان - سیدہ سر راس مسعود، مولوی عبدالرزاق، مصنف البرامکہ، مسٹر شعیب قریشی مسٹر حسن محمد حیات، مولوی محمد خالد انصاری، مسٹر عبدالحلیم انصاری آرٹسٹ - راجہ سر اودھ نرائن مسٹر زبدا پرشاد نگم - حکیم ضیاء الحسن صاحب، حکیم سید قمرالحسن صاحب، مفتی انوارالحق - قاضی محمد حسن صاحب مفتی عبدالہادی خاں صاحب، مولوی حکیم الدین صاحب

مانی نقوی، یوسف قیصر صاحب، باسط بھوپالی، ارشد تھانوی، ترمذی صاحب، عظمت اللہ خاں عظمت، حامد سعید خاں صاحب حامد۔ جناب حامد رفعوی صاحب، طرزی مشرقی صاحب،

بھوپال سے باہر کے جن خاص خاص مشہور لوگوں نے ان سے یہاں ملاقات فرمائی تھی وہ تھے۔

بلبلِ ہند سروجنی نائیڈو، کرشنا ہتی سنگھ، پروفیسر کے ٹی شاہ، سر راما سوامی ایر، مہاراجہ تکوجی راؤ ہولکر، مہاراجہ یشونت راؤ ہولکر، مسٹر ایم آر جیکر، شیاما پرشاد مکرجی، مسٹر غلام احمد، پنڈت دتاتریہ کیفی، مولوی عبدالحق، علامہ سلیمان ندوی، ڈاکٹر ذاکر حسین خاں، مسٹر زاہد حسین، پروفیسر مجیب، پروفیسر ہادی حسن، پروفیسر ظفر الحسن، خواجہ غلام السیدین، سر کیلاش نرائن ہکسر، سر شیخ عبدالقادر (جو ولایت سے تشریف لائے ہوئے تھے) جگر مراد آبادی، علامہ سیماب اکبر آبادی، نواب بہادر یار جنگ، سر فیروز خاں نون، سر سکندر حیات، سر تیج بہادر سپرو، عبدالرحمٰن چغتائی آرٹسٹ، مولانا محمد شوکت علی۔

حضرت علامہ کو بھوپال اور اہل بھوپال بہت پسند تھے یہاں کی آب و ہوا کی وہ بہت تعریف فرماتے تھے اور بھوپال کے حسین اور دلکش منظر سے وہ بہت متاثر تھے۔

علامہ اقبال کے رہن سہن، کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے غرض ان کی سادی زندگی میں بلا کی سادگی تھی۔

گھر میں تہ بند اور قمیص ان کا لباس تھا۔ سرد موسم میں ایک معمولی کمبل اوڑھ لیتے تھے۔ معمولی چارپائی پر بیٹھے رہتے تھے اور سامنے پنجابی حقہ رکھا رہتا تھا ان کی غذا سادہ ہوا کرتی تھی۔ علی بخش اکبر چارپائی ہی پر جہاں وہ تشریف فرما ہوتے تھے کھانا لے آتا تھا درحقیقت ان کی ساری زندگی فقیرانہ تھی۔ لیکن ان کے فقیرانہ انداز میں امیرانہ شان تھی۔ گفتگو بہت نرم لہجہ میں کرتے تھے۔ اور کسی پر کبھی اپنی لیاقت علمی اور بلند و بالا شخصیت کا اثر نہیں ڈالتے تھے۔ ان کے مزاج میں تعصب نام کو نہ تھا۔ عام انسانیت سے ان کو بے پناہ محبت تھی غرض میں کس کس بات کا ذکر کروں اقبال کی محبت میں بیٹھنے والا ان کی بلند و بالا شخصیت کا تو بھلا کیا ہی اندازہ کر سکتا تھا لیکن اس کو اپنا مقام ضرور معلوم ہو جاتا تھا۔ ان سے گفتگو کرنا خود اپنی استعداد اور لیاقت کا امتحان تھا۔

جس زمانہ میں حضرت علامہ کا علاج مقررہ پروگرام کے مطابق ہو رہا تھا۔ اس وقت بھی یہاں ان کا زیادہ وقت علمی و ادبی مجالس میں گزرتا تھا۔ ان کی فیضانی محفلیں ریاض منزل دولت کدہ سر سید تالی یا شیش محل میں ہوتی تھیں۔ حضرت علامہ ان مجالس اور مباحث میں اس قدر کھو جاتے تھے کہ بعض مرتبہ تو علاج کے اوقات تک کا خیال نہیں رہتا تھا اور جب ہم ان کو یاد دلاتے کہ ایکسرے کے لئے ہسپتال تشریف لے چلیں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان پر کچھ

زیادتی کی جا رہی ہے۔ آہستہ سے فرماتے کس قدر افسوس کی بات ہے کہ میں ایسے عالم و فاضل دوستوں کو چھوڑ کر اسپتال چلا جاؤں۔ بھئی یہ تو بڑی خود غرضی ہے۔" بعض مرتبہ جب وہ کسی اہم مسئلہ کو بیان فرماتے تو ان کو اس بات کا بھی خیال نہیں رہتا تھا کہ کھانا کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔ ان کا خادم علی بخش مجھ سے کان میں کہتا "ممنون صاحب ڈاکٹر صاحب سے تو کھانے کے لئے کہئے ورنہ وہ تو اسی طرح بولتے ہی رہیں گے۔" میں ہمت کر کے ادب کے ساتھ جھک کر آہستہ سے عرض کرتا۔ "کھانا تیار ہے۔" مسکرا کر فرماتے "ذرا صبر کیجئے میں ابھی اٹھتا ہوں۔" اور پھر مسائل کو بیان کرنے میں مصروف ہو جاتے۔ اس سے ظاہر ہو گا کہ وہ سراپا علم و فن تھے۔ ادب ہی ان کی زندگی تھی۔ ان کا کھانا پینا تھا۔

ممنون صاحب خاموش ہوئے اور انھوں نے چشمے کے شیشے صاف کئے۔ میں نے عرض کیا کہ بھوپال میں کہی اقبال کی نظموں اور اشعار کا پس منظر معلوم کر چکا ہوں جو "بھوپال میں اقبال کی شاعری کا پس منظر" میں شائع ہوا تھا۔ بعد میں دیگر تفصیلات بھی حاصل کر لی تھیں۔ اس وقت کوئی ایسا واقعہ بیان فرمائیں جو کہیں طبع نہ ہوا ہو اور میری اس کاوش کے ذریعہ منظر عام پر آئے۔ محترم ممنون صاحب دیر تک خاموش رہے، سوچتے رہے۔ پھر کچھ فرماتے اور خود ہی کہتے کہ نہیں یہ واقعہ تو کسی اور نے بیان کر دیا ہے۔ پھر انھوں نے شاداب مسکراہٹ کے ساتھ سر راس مسعود کے دولت کدہ پر ایک یادگار نشست کی تفصیلات بیان فرمائیں۔

ایک بار جب علامہ سر راس مسعود کے دولت کدہ پر قیام پذیر تھے تو ایک مجلس میں سر راس مسعود نے ان سے کہا

اسپنوزا اور افلاطون کے فلسفۂ حیات پر ایک ایک شعر
عنایت ہو تیں ایک ایک شعر میں ان کا پورا فلسفہ
بیان فرمائیں۔ ان سے ایسی بات سر راس مسعود ہی کہہ
سکتے تھے۔ علامہ مسکرائے، خاموش رہے۔ تھوڑی دیر
بعد فرمایا۔ مسعود اسپنوزا کا فلسفۂ حیات سنو

نظر حیات پہ رکھتا ہے مرد دانشمند
حیات کیا ہے حضور و سرور و نور و وجود

راس مسعود نے عرض کیا "اور افلاطون کیا کہتا ہے"؟
فرمایا:۔

نگاہ موت پہ رکھتا ہے مرد دانشمند
حیات ہے شب تاریک میں شرر کی نمود

سر راس مسعود نے فرمایا اور اس سلسلہ میں
آپ کا اپنا فلسفہ کیا ہے فرمایا:۔

حیات و موت نہیں التفات کے لائق!
فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مقصود

سر راس مسعود نے فرمایا "آپ خودی کو اس
قدر اہمیت کیوں دیتے ہیں؟" حضرت علامہ نے ارشاد
فرمایا "میں "خودی" کو اس لئے سب سے زیادہ اہمیت
دیتا ہوں کہ اخلاقی اعتبار سے افراد اور اقوام کا صحیح
طرز عمل عشق سے تربیت یافتہ خودی ہی پر منحصر ہے
خودی وحدت وجدانی ہے، شعور کا روشن نقطہ ہے۔

جس سے تمام انسانی تخیلات و جذبات مستنیر ہوتے ہیں۔ خودی ہی فطرتِ انسانی کی منتشر اور غیر محدود کیفیتوں کی شیرازہ بند ہے۔ خودی اپنے عمل کی رو سے ظاہر اور اپنی حقیقت کی رو سے مضمر ہے۔ یہ تمام مشاہدات کی خالق ہے۔ خودی اس قدر لطیف ہے کہ وہ ہمارے مشاہدہ کی گرم نگاہوں کی تاب نہیں لاسکتی ہے۔ حقیقتاً خودی ایک لازوال حقیقت ہے"

حاضرینِ مجلس محوِ حیرت رہ گئے۔ اس واقعہ کو یاد کرکے میرے منہ سے یہ اشعار نکلتے ہیں ؎

جس کا ہو کلام ایسا کلیم اس کو ہیں کہتے
نکتے سے ہو لبریز حکیم اس کو ہیں کہتے
افکار کی جنت ہے نعیم اس کو ہیں کہتے
اے صاحبِ دل طبع سلیم اسکو ہیں کہتے!

معنون صاحب نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا اور فرمایا کہ۔

علامہ مرحوم انتہائی سادہ مزاج تھے ان کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ دنیا کی اس قدر عظیم شخصیت ہیں۔ ایک دن جب وہ شیش محل میں مقیم تھے تو باہر دروازہ میں تشریف فرما تھے۔ جاوید بھی وہیں تھے اور میں بھی۔ جاوید نے کہا "اباجان، کیرم کھیلئے" فرمایا، "اچھی بات ہے اگر ادا جاؤ تو ورنا مت۔ چنانچہ کیرم شروع ہوا۔ اتنی دیر میں ارشد تھانوی صاحب تشریف لائے اور علامہ سے فرمایا میں حضرت علامہ سے ملنا چاہتا ہوں اندر اطلاع کر دی جائے۔ وہ یہ سمجھے کہ جس سے وہ مخاطب

ہیں علامہ کا ملازم ہے۔ علامہ خاموشی سے کھیل میں معروف رہے۔ ارشد صاحب نے پھر کہا "بھئی جلد اطلاع کر دو۔" علامہ مسکرائے اور پھر فرمایا "اقبال آپ کی خدمت میں حاضر تو ہے" ارشد صاحب بہت شرمندہ ہوئے اور پھر ہم سب اندر گئے اور وہاں ارشد صاحب سے انھوں نے ملاقات فرمائی۔ علامہ انتہائی خلیق انسان تھے۔ ان کی بلندی ملاحظہ ہو کہ ایک بار جب وہ بھوپال میں مقیم تھے میری والدہ مرحومہ سخت علیل ہو گئیں جب علامہ کو معلوم ہوا تو سر راس مسعود کو ساتھ لیکر میرے غریب خانہ پر تشریف لائے اور دیر تک سب کا حال پوچھتے رہے۔ اس کے بعد معمول تھا کہ علی بخش کو روزانہ حال دریافت کرنے بھیجا کرتے تھے۔

علامہ اقبال کا معمول تھا کہ وہ صبح کو کلام اللہ کی تلاوت کرتے تھے جب کلام اللہ پڑھتے تو ان کی آنکھیں پرنم ہو جاتی تھیں اور ایک عجیب کیفیت ان پر طاری ہو جاتی تھی۔

جب حضرت علامہ بھوپال تشریف لاتے تو ان کے جاننے والوں کی مسرت کی کوئی انتہا نہ ہوتی سارا اسٹیشن ان کا استقبال کرنے والوں سے بھرا ہوتا۔ سید راس مسعود ان سے مل کر لپٹ جاتے اور بار بار ان کے بوسے لیتے۔ کہیں جب وہ واپس تشریف لے جاتے تو وہ مسرت غم میں تبدیل ہو جاتی۔ ہر شخص اسٹیشن پر جو ان کو رخصت کرنے جاتا۔ اداس نظر آتا تھا۔

جب علامہ آخری بار واپس تشریف لیگئے

تو سارا اسٹیشن ان کے چاہنے والوں سے بھرا ہوا تھا۔ علامہ نے سب کا شکریہ ادا کیا اور گاڑی میں جب سوار ہونے لگے تو مولوی عبدالرزاق صاحب معروف البرامکہ نے نہایت ہی پُر درد لہجہ میں کہا۔۔۔ "اچھا جاؤ۔ خدا حافظ۔ ہم تو اب چراغ سحری ہیں شاید اس دنیا میں اب نہ مل سکیں، کہیں ایک دن تو مل گئے ہی۔" اس بات کا سب پر بہت اثر ہوا۔ حاضرین آب دیدہ ہوگئے۔ اتفاق سے اسی گاڑی میں بلبل ہند مسز سروجنی نائیڈو صاحبہ بھی بمبئی سے دہلی جارہی تھیں جب ان کو معلوم ہوا کہ علامہ بھی اسی گاڑی سے دہلی جارہے ہیں تو وہ اپنا ڈبہ تبدیل کرکے علامہ کے ڈبہ میں تشریف لے آئیں۔ اس بار مجھے علامہ کے ساتھ دہلی بھیجا گیا تھا۔ سروجنی صاحبہ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا "ممنون صاحب۔ اب آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں، علامہ کا چارج آپ مجھے دے دیں۔" میں نے عرض کیا۔" محترمہ، علامہ کو بھلا کون اپنے چارج میں لے سکتا ہے۔

"میر سپہ و سلطاں کو نہیں شاہین کا قوری"

اس کو سن کر علامہ مسکرائے اور سروجنی نائیڈو بھی بہت محظوظ ہوئیں۔

ممنون صاحب بہت خوش نظر آنے لگے تھے بڑے لطف سے سگار کے کش پہ کش لے رہے تھے اور دو انگلیوں سے ماچس کی کاری کو گردش دے رہے تھے وہ عموماً انتہائی خوشی کے موقع پر ایسا کیا کرتے تھے۔ میں ان کی ہنسی میں شریک تھا۔ اسی وقت ایک خادم

نے آکر دھیرے سے کہا "گاڑی تیار ہے" ممنون صاحب نے بڑی شفقت سے فرمایا۔ "بھائی پروفیسر اخلاق اثر صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں، گاؤں جانے کو دل نہیں چاہتا، اس وقت جانا بڑی بے تہذیبی ہوگی" بابا بول رہے تھے اور مجھے علامہ اقبال کا لہجہ یاد آرہا تھا۔ میں نے کاغذات سنبھالے اور اٹھ کھڑا ہوا اور للچائی نظروں سے میز پر رکھی مسل کو دیکھنے لگا۔ بابا میرا مطلب سمجھ گئے اور فرمایا —— "دیکھنا چاہتے ہو؟" میں نے اثبات میں جواب دیا۔ انھوں نے فائل میرے حوالے کر دی۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور ان کے ساتھ ساتھ باہر آگیا۔ فتح اللہ صاحب نے جیپ لگا دی۔ ان کی اہلیہ اور بچے بیٹھ چکے تھے جیپ کی پچھلی نشستوں کے درمیان کھانے پینے کا سامان تھا۔ اور ایک خادم مرغ مرغیوں کی جھبلی سنبھالے بیٹھا تھا۔ بابا جیپ میں بیٹھ گئے تو میں نے فائل کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے تین چار دن بعد ملاقات کا وعدہ فرمایا —— جیپ آگے بڑھ گئی میں سلام کر کے دوسری سمت میں روانہ ہو گیا اور گھر پہونچ کر فائل کا مطالعہ کرنے لگا جس سے بابا کی مصروفیات کا اندازہ ہوتا تھا۔

مولانا ابو الکلام کی ہمشیرہ آبرو صاحبہ بھوپال میں مقیم تھیں جن کی ممنون صاحب نے مدد فرمائی تھی۔ بیوگی کے بعد وہ بہت پریشان تھیں اور مکان کے حصول کے لئے کوشش کر رہی تھیں ممنون صاحب کے نام ان کے قدیمی طرز تحریر کے مکتوب سے صورت حال نمایاں ہوتی ہے۔

بیٹے ممنون عمرک اللہ اقبال زیادہ

کیا بتلاؤں کہ مجھ پر کیا ستم ہوا جب کہ تم عزیز

مجھ سے فراق کیے لیکن نواب صاحب کے نام کی درخواست متعلق

ڈیرہ ہو گیا مجھے اور سید نے بالنذر العلیم یوسف میاں کی وجہ سے

سامنے لکھ کر رسید کے ساتھ لفافے میں بند کر کے تمہارا نام لکھ

پر لکھ کر بھیجو جو تمہیں بہتر سمجھ کہ چلا گئے اور سکو ...

[illegible]

وجے گپتا نے ۲ مارچ ۱۹۷۳ء کے مکتوب میں ممنون صاحب کے تعاون کا شکریہ ادا کیا تھا

میں کھیلوں کی سرپرستی کے لئے آپ کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے بڑی بیگم صاحبہ اور شہزادی [illegible] صاحبہ کے سو برہ ویش باغ اسٹیڈیم کی زمین کے حصول کے [illegible] معاملہ میں بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کیا۔ [illegible] کہ آپ کی تعاون اور بروقت امداد کے بغیر ہم اپنے حق کاغذات کے حصول میں کبھی کامیاب نہ ہوتے۔

مشہور و معروف ترقی پسند شاعر اور نقاد سردار جعفری کے نام ۲ ستمبر ۱۹۷۵ء کے مکتوب کی نقل موجود تھی۔

آپ نے ازراہِ نوازش "گفتگو" کا شمارہ ۱۹ اور ۲۰ (مارچ اور جون) [illegible] کو عطا فرمایا ہے۔ اس ذرہ نوازی کے لئے آپ کا ممنون ہوں۔

آپ کا مضمون [illegible] کا سحر تھا [illegible] جیسا کہ آپ کو بتا چکا ہوں۔ مجھے آپ کے مضمون کو پڑھ کر یوں اور بھی زیادہ [illegible] ایک [illegible] خود علامہ کی زبانی سن چکا ہوں۔ یہ اس [illegible] کا ذکر ہے [illegible] میں تشریف فرما اور سرسید [illegible] تھے۔ ایک مجلس جمی تھی۔ سر (راس مسعود) سید صاحب، عابد صاحب، ذاکر صاحب، مولوی عبدالحق صاحب اور دوسرے اکابرین جمع تھے۔ سید راس مسعود نے علامہ سے ملنے کی بابت [illegible] فرمایا تھا اور بات [illegible] کا ان تفصیل کیا تھا اس کو بیان فرمایا تھا۔ اس تفصیل میں بہت سی وہ باتیں تھیں جو آپ کے مضمون میں موجود ہیں [illegible] جن کا آپ نے اپنے مضمون میں تذکرہ کیا ہے [illegible]

میں خود ۳۵ سال سے گرفتار ہوں، کاش علامہؒ اس عالم فانی میں موجود ہوتے تو میں ان سے عرض کرتا کہ میری اس الجھن کو دور فرمائیں، لیکن شاید وہ کہہ کر ٹال دیتے ؎

برہنہ حرف نہ گفتن کمال گویائیست
حدیث خلوتیاں جز بہ رمز و ایما نیست

بہرحال یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا ہوں کہ آپ نے اس مشکل مضمون کو جس خوبی سے بیان فرمایا ہے وہ ہندوستان میں کوئی دوسرا بیان نہیں کر سکتا۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

میں سوچ رہا ہوں کہ "یادوں کے سائے" کے عنوان سے میں اقبال کی اُن علمی و ادبی جلسوں کا حال قلمبند کر دوں جن میں بھوپال میں میں خود شریک تھا۔ اگر یہ خواہش پوری ہوئی تو میں آپ کو ضرور مطلع کروں گا۔ اور جو کچھ بھی تحریر کروں گا اس کی ایک کاپی آپ کی خدمت گرامی میں ضرور ارسال کر دوں گا۔"

دوسرا خط سردار جعفری کا تھا جو انھوں نے انگریزی میں ۲۴ ستمبر ۱۹۷۶ء کو مدھیہ پردیش کے وزیر اعلیٰ جناب شیاما چرن شکلا کے نام تحریر کیا تھا جس میں کل ہند جشن اقبال صدی تقریبات کی تفصیلات تھیں۔ سردار جعفری نے بطور خاص شیش محل میں "اقبال یادگار" کے قیام کی ضرورت پر زور دیا تھا اور اس سلسلے میں اندر کمار گجرال سے گفتگو کا حوالہ دیا تھا۔ اس کی ایک نقل ممنون صاحب کو روانہ فرمائی تھی اور اردو میں لکھا تھا کہ:

برادر محترم! تسلیم

امید ہے کہ یہ خط مفید ہوگا۔ اس کی رسید ارسال فرمایئے۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ آپ کا

سردار جعفری

۲۰؍ اکتوبر ۱۹۷۶ء کے مکتوب میں سردار جعفری نے تحریر کیا

برادرِ محترم! تسلیم

۹؍ ستمبر کو میں نے شیش محل کے سلسلے میں مدھیہ پردیش کے وزیرِ اعلیٰ صاحب کو ایک خط بذریعہ رجسٹری ارسال کیا تھا۔ اس خط کی نقل آپ کی خدمت میں رجسٹری کے ذریعے بھیج دی گئی تھی تاکہ آپ وزیرِ اعلیٰ صاحب سے ملاقات کریں۔ لیکن خط پہونچنے کی رسید نہ تو سرکاری سطح پر آئی نہ آپ نے ارسال فرمائی۔ خط ضرور آپ کو مل گیا ہوگا۔ اطلاع دیجیے کہ کیا کارروائی کی گئی ہے اس کا جواب جلد عنایت کیجیے تاکہ میں آئندہ کے اقدامات کا فیصلہ کر سکوں۔

میں ۲؍ اکتوبر کو اورنگ آباد جا رہا ہوں ۷؍ کو واپس آکر دہلی چلا جاؤں گا۔ اور وہاں ۱۷؍ اکتوبر تک قیام کروں گا۔ اس بار محترمہ اندرا گاندھی سے ملنے کی کوشش کروں گا تاکہ جشنِ اقبال کی تیاریوں کی ایک مختصر رپورٹ موصوفہ کی خدمت میں پیش کر دوں۔ اگر ضرورت ہوگی تو شیش محل کے بارے میں بھی بات کروں گا۔ اندر کمار گجرال صاحب کیلئے اپنے فائل کی نقل آپ کو روانہ کر رہا ہوں۔

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔

آپ کا

سردار جعفری

۳۰ر ستمبر ۱۹۷۶ء کو سردار جعفری نے ایک اور مکتوب ممنون صاحب کی خدمت میں ارسال فرمایا:-

۳۰ر ستمبر ۱۹۷۶ء

برادر محترم! تسلیم

گرامی نامہ موصول ہوا۔ اس سے پہلے بھی ایک عنایت نامہ آیا تھا۔ میں نے وزیر اعلیٰ شکلا صاحب کی خدمت میں جو عریضہ ارسال کیا تھا۔ اسکی سرکاری رسید میرے پاس آئی ہے۔ اس کے ضمن میں کہ شاید اس پر کوئی کارروائی ہو یہ کام ہو جائے گا۔ میری رائے یہ ہے کہ شکلا صاحب نے ازراہِ کرم جو شیش محل کے اوپر کے کمرے عنایت کرنے کا وعدہ کیا ہے تو وہ پورا کرا لیجئے اور اوپر کے کمرے قبضے میں لے لیجئے۔ باقی کام بعد کو ہوگا۔

میں پرسوں احمد نگر آباد جا رہا ہوں دہلی ۸ر اکتوبر کی شام کو پہونچوں گا۔ خط کی پشت پر وہاں کا پتہ اور ٹیلیفون نمبر لکھ رہا ہوں۔ وزیر اعظم محترمہ اندرا گاندھی سے اس بار بھی ملاقات نہ ہو سکے گی۔ موصوفہ ہندوستان سے باہر تشریف لے جا رہی ہیں۔ اب انشاءاللہ نومبر میں ملنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن اکتوبر کے سفر میں دوبارہ شکلا صاحب سے مل کر شیش محل کے متعلق گفتگو کروں گا۔ میں موصوف سے پہلے بات کر چکا ہوں اور انھوں نے مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

جہاں تک حکومت ہند کا تعلق ہے اسکی طرف سے اقبال کے صد سالہ جشن کے لئے پورا تعاون مل رہا ہے یقین ہے کہ جشن شاعرِ مشرق کے شایانِ شان ہوگا۔

امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا

آپ کا

سردار جعفری

دہلی کا پتہ

علی سردار جعفری

پی ۔ ۷ ۔ حوض خاص ۔ اینکلیو

نئی دہلی ۱۱-۴۸ ۔ فون ۔ ۷۸۶۳۳

سردار جعفری کے ۴ نومبر ۱۹۷۶ء کے مکتوب میں دیگر تفصیلات موجود تھیں۔

۴ نومبر ۷۶ء

بمبئی

برادرم! تسلیم

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۲۸ اکتوبر ۷۶ء موصول ہوا۔ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ کی ملاقات وزیر اعلیٰ صاحب سے ہو گئی اور یہ ملاقات امید افزا رہی میرے پاس سرکاری طور سے جو جواب آیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ کمرے اقبال لائبریری کو نہیں دئے جا سکتے البتہ ان پر اقبال کے نام کے پتھر لگوا دئے جائیں گے۔

گذشتہ ماہ دہلی میں ہماری مجلس عاملہ کے جلسے میں یہ معاملہ آیا تھا اور میں نے وزیر اعلیٰ کے نام آپ کے خط کی نقل اندر کمار گجرال صاحب کو دے دی تھی۔ محترمہ اندرا گاندھی سے اب تک ملاقات نہیں ہو سکی۔ موصوفہ ہندوستان سے باہر تشریف لے گئی تھیں۔ اب آج شام کو دہلی جا رہا ہوں

اس بار کوشش کروں گا کہ ملاقات ہو جائے اگر کامیابی ہوئی تو شیش محل کے بارے میں عرض کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ محترمہ اندرا گاندھی ضرور توجہ فرمائیں گی۔ میں دہلی ۱۱ر نومبر تک رہوں گا۔ درمیان میں ۱۱ دن کے لئے لکھنؤ جاؤں گا۔ یعنی ۱۲ر نومبر کو واپس آؤں گا۔

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔

آپ کا

سردار جعفری

۱۱ر نومبر ۱۹۷۶ء کے مکتوب میں سردار جعفری شیش محل کی بازیافت کیلئے اندرا گاندھی سے ملاقات کی تفصیلات بیان فرماتے ہیں۔

نئی دہلی

۱۱ر نومبر ۱۹۷۶ء

برادر محترم۔ تسلیم

آپ کا عنایت نامہ کل شام کو ملا۔ میں ابھی وزیر اعظم محترمہ اندرا گاندھی سے مل کے آرہا ہوں۔ شیش محل کا معاملہ میں نے گوش گذار کر دیا۔ بہت ہمدردی سے میری بات سنی اور یہ کہا کہ ایک خط میرے نام لکھ دیجئے۔ بھوپال والے خط کی نقل میں دے آیا ہوں۔ انھوں نے فی الحال کوئی وعدہ نہیں فرمایا ہے۔ میرے خط لکھنے کے بعد ممکن ہے کہ کوئی بہتر صورت پیدا ہو۔ آپ اپنے طور پر کوشش جاری رکھیں اور اس بات کا ذکر فی الحال نہ کریں کہ میں اس معاملہ میں وزیر اعظم سے ملاقات کر چکا ہوں۔

بھوپال میں ۲۴ر دسمبر کو ریڈیو کا ایک

مشاعرہ ہے میں اس میں شرکت کیلئے بھوپال آؤں گا۔
آپ کے وزیر اعلیٰ کی خدمت میں ایک عریضہ بھیج رہا ہوں
کہ مجھے ملاقات کا وقت دیا جائے۔ ممکن ہے کہ معاملہ اس
سے پہلے ہی طے ہو جائے۔

میں کل صبح بمبئی جا رہا ہوں، دوپہر کو پہونچ
جاؤں گا۔

امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

آپ کا
سردار جعفری

(۹ اکتوبر ۱۹۷۷ء میں سردار جعفری اقبال صدی کی شاندار
تقریبات پر روشنی ڈالتے ہیں)۔

۹ اکتوبر ۱۹۷۷ء

برادر محترم تسلیم

آپ کا ۴ اکتوبر کا عنایت نامہ کل شام کو دہلی
سے واپسی پر ملا۔ اقبال صدی کی تقریبات کے سلسلے میں
ایک قدم دہلی میں رہتا ہے اور ایک بمبئی میں۔

آپ کو معلوم کر کے مسرت ہوگی کہ اقبال صدی
کی تقریبات شاندار طریقے سے منعقد ہو رہی ہیں ۲۹ اکتوبر
کو رات کے ۹ بجے وگیان بھون نئی دہلی میں اقبال صدی تقریبات
کا افتتاح ایک ہند و پاک مشاعرے کے ساتھ ہو رہا ہے۔ مشاعرے
کے صدر جناب وی شنکر صاحب ہیں۔ افتتاح سپریم کورٹ کے
چیف جسٹس جناب ایم ایچ بیگ صاحب فرمائیں گے۔ ... اندر گجرال
صاحب ماسکو سے تشریف لائیں گے یا کہ ... ن

سوویت یونین کے سفیران کرام بھی چھوٹی چھوٹی تقریریں
کریں گے۔

دوسرے دن صبح ۱۰ بجے وگیان بھون کے
ایک کمرے جی ۱۰۰ کم میں ۵ دن کے بین الاقوامی
سیمینار کا افتتاح ہوگا۔ اس میں دنیا کے متعدد ممالک کے
دانشور اور ہندوستان کی مختلف زبانوں سے ۲۵
دانشور شریک ہو رہے ہیں۔ اس تقریب میں اقبال
کی تصویروں پر مشتمل ایک البم "مرقع اقبال" کا اجرا
بی کے اڈوانی صاحب کریں گے۔ ایک تصویروں کی
نمائش ہوگی اور ایک پینٹنگ کی نمائش۔ کے دو کلچرل
جن میں اقبال کا کلام اسٹیج پر پیش کیا جائے گا۔ یہ سیمینار ۲
نومبر [illegible] کو ختم ہوگا۔ انتظامات میں اور مالی امداد میں حکومت
ہند ہمارا ہاتھ بٹا رہی ہے۔

آپ ان تقریبات میں شرکت کرنے کیلئے ضرور
دہلی تشریف لائیے۔ ۲۸ اکتوبر جمعہ سے وگیان بھون
مولانا آزاد روڈ پر صدی تقریبات کا دفتر قائم ہو جائے گا۔
وہاں سے مشاعرے کا دعوت نامہ اور سیمینار میں شریک
ہونے کے لئے ٹکٹ حاصل کر لیجئے گا۔ آپ اقبال کمیٹی
کے ممبر ہیں۔ اس لئے بیگم عابدہ فخرالدین علی احمد کے
دیوان غالب سے مرتب کئے ہوئے کلچرل پروگرام میں بھی
مدعو ہیں۔ اس کا دعوت نامہ بھی ہمارے دفتر سے مل جائے

برادرم اختر سعید صاحب مجلس عاملہ کے
رکن ہیں اور مشاعرے میں بھی مدعو ہیں وہ بھی دہلی تشریف

لائیں گے۔ اپنی قیام گاہ کی اطلاع مجھے صدی تقریبات
کے دفتر میں دے دیجئے گا۔

امید ہے مزاج بخیر ہوگا۔

آپ کا
سردار جعفری

درج بالا مکتوب کا جواب ممنون صاحب نے ۱۵؍ اکتوبر ۱۹۷۷ء
کو روانہ فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمایوں منزل، بھوپال
(نزد فراز اسٹیشن)

بھوپال۔ ۱۵؍ اکتوبر ۱۹۷۷ء

عزیز محترم و مکرم سردار جعفری صاحب۔ سلام مسنون

گرامی نامہ مورخہ ۹؍ اکتوبر ۷۷ء آج مجھے ملا۔ بہت بہت
شکریہ۔ خیریت معلوم ہو کر اطمینان ہوا۔ آپ کا جو نوازش نامہ
کے سلسلے میں یوں ابھی آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے
بذریعہ تعطیف گوارہ فرمائی۔ میری گذارش پر اقبال صدی
تقریبات کے متعلق مجھے جس خوشی کا مطلع فرمایا ہے ورنہ
مجھے تو کوئی اطلاع نہیں ملی۔ میری گذارش پر اگر آپ
مجھے ان پروگراموں کے متعلق اطلاع نہ دیتے تو شاید
مجھے معلوم بھی نہیں ہوتا۔

۲۔ یہ آپ کا ہی دم ہے۔ میرے پیارے عزیز بھائی کہ اقتدہ
اعلیٰ پیمانے پر اقبال صدی کی تقریبات منعقد کی جا رہی ہیں
آپ کا یہ یقیناً تاریخ ساز کارنامہ ہے اور ہم سب کو

آپ کا اور آپ کے رفیقوں کا احسان مند ہونا چاہئے۔
۲۔ آپ نے ازراہِ برادر نوازی ذاتی طور پر مجھے ان تقریبات میں شرکت کی دعوت دی ہے۔ آپ کی اس نوازش کے لئے میں سراپا سپاس ہوں۔ مجھے امید ہے کہ چونکہ یہ سب تقریبات آپ کی خاص نگرانی میں ہو رہی ہیں اس لئے اس خاص تعلق کو نظر انداز نہیں کیا جائے گا جو حکیم الامت اقبال کا میرے عزیز بھوپال سے رہا تھا۔ کم از کم تصاویر میں شیش محل اور ریاض منزل کے فوٹو ضرور شامل کر لئے گئے ہوں گے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ جس طرح ویمر کا قریبی تعلق ویمر کا گوئٹے سے تھا اسی طرح کا تعلق بھوپال کا اقبال سے رہا ہے۔ خاص طور پر ان کی زندگی کے آخری ایام میں۔ ویمر دنیائے علم و ادب میں گوئٹے کے تعلق سے زندہ ہے۔ اسی طرح سے بھوپال اقبال کے تعلق سے عالمی ادب کے نقشے پر ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اس لئے اقبال صدی کے موقع پر بھوپال کو میری ناچیز رائے میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ میں اس لئے بھی لکھ رہا ہوں کہ جب میرے بھائی اور دوست جگن ناتھ آزاد کی بنائی ہوئی اقبال سے متعلق نمائش بھوپال میں لگائی گئی تو اس میں بھوپال کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ جس پر یہاں کافی اعتراضات ہوئے تھے۔ اس کے بعد برادر موصوف نے مجھے لکھا تھا کہ وہ بھوپال اقبال کے غیر مطبوعہ خطوط کی تلاش میں آنا چاہتے تھے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ وہ ضرور تشریف لائیں لیکن جو خطوط علامہ نے بھوپال بھیجے تھے ان میں سے زیادہ تر تو میرے مرحوم و فاضل دوست پروفیسر

عطاء اللہ صاحب نے اقبال نامہ جلد اول میں شائع
کر لئے تھے۔ لیکن ان کے علاوہ چند غیر مطبوعہ پرائیویٹ خطوط
میرے پاس ہیں جن کو میں طباعت یا نمائش کیلئے نہیں دوں گا
لیکن اس کے علاوہ بھوپال سے اقبالؒ کے متعلق جو چیزیں
مل سکتی ہوں ان کے حصول میں میں ان کی پوری پوری
مدد کروں گا۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ مرقع اقبال یا اور
دستاویزیں جو نمائش کے لئے پیش کی جارہی ہیں غریب
بھوپال کو کسی طرح کی کوئی جگہ دی گئی ہے یا نہیں۔

۴۔ اب رہا میری شرکت کا معاملہ تو میرے بھائی آپ
کی دعوت اور آپ کا حکم میرے سر اور آنکھوں پر۔ اس
سے زیادہ عرض کرنا نہیں چاہتا ہوں سوائے اس کے
کہ میرے لئے یہ یاد ہی کافی ہے کہ میں کبھی حکیم اقبال رح
کی کفش برداری کیا کرتا تھا۔ یہ بات شاید غلط نہیں
ہے کہ اب اس ہندوستان میں میں ہی وہ واحد زندہ آدمی
ہوں جو کہ علامہ رح سے قریب ترین رہا ہے۔ یعنی اسی
نسبت سے۔ گو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری حیثیت
علی بخش صاحب مرحوم سے کسی طرح زیادہ نہیں ہے۔
عزیز گرامی! یہ یاد ہی کافی ہے کہ کبھی میں نے شاخ تاک
سے بلا واسطہ شراب اپنے ساغر میں ڈالی تھی۔ خاص
حکیم موصوف کے قدموں میں بیٹھ کر ان سے کچھ پڑھا تھا۔
کچھ سیکھا تھا۔ حکیم موصوف کی ان مخصوص محفلوں میں
شرکت کی تھی جب سب اس وقت کے مشہور عالم، عظیم ترین
دانشور اور نقاد سخن ان کے قدموں میں بیٹھنا فخر سمجھتے
تھے۔ اس لئے پیارے بھائی میں حاضر ہوں یا نہ ہوں مدتوں

میری نماز اور میرا وظیفہ علامہؒ کے زندگی بخش کلام کو
پڑھنا اور اس پر غور کرنا ہے اور شاید آخر دم تک یہ
سلسلہ جاری رہے۔ بس میری تو ایک یہ خواہش ہے
کہ شیش محل میں علامہؒ کی شاندار یادگار قائم ہو جائے
جو شاہین علم و دانش کی زیارت گاہ بنے آئندہ آنے
والی نسلیں علامہ کے کلام پر وہاں بیٹھ کر Research
(ریسرچ) کریں کیونکہ بقول گرامی مرحوم سے

ترا خیال کہ تو ئی کہ کجا داند!
بقدر ہمت خود میکند استدراک

ایک بار پھر آپ کی نوازش اور کرم کا تہ دل
سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ والسلام۔

آپ کا بھائی
ممنون
(ممنون حسن خاں)

ممنون حسن خاں اعلیٰ سطح پر یادگار اقبال کے قیام کیلئے
کوشش فرما رہے تھے۔ انھوں نے اپنے صوبہ مدھیہ پردیش کی اردو اکیڈمی میں
اقبال کو مرکزی مقام دلانے کی جدوجہد فرما رہے تھے۔ ان کی مسل میں ایسے کئی
خطوط موجود تھے جو ان کی سرگرمیوں کے گواہ تھے ۲۴ر اکتوبر ۷۰ء کو انھوں
نے جناب قمر الحسن، چیف ایڈیٹر، روزنامہ "ندیم" و رکن اردو اکیڈمی کو مکتوب
روانہ فرمایا۔

محترم و مکرمی حکیم قمر الحسن صاحب! سلام مسنون

جیساکہ آپ کے ذاتی علم میں ہے کہ شاعر مشرق حکیم اقبال رحمۃ نے ۱۹۳۵ء اور ۱۹۳۶ء میں کئی ماہ قیام تک بھوپال میں قیام فرمایا تھا۔ ان کا قیام یا تو شیش محل میں رہتا تھا یا سر راس مسعود کے دولت کدہ ریاض منزل میں۔ قیام بھوپال کے دوران حضرت علامہؒ نے بہت سی نظمیں لکھی ہیں۔ جو ان کی مشہور عالم کتاب "ضرب کلیم" میں شامل ہیں اور جن کے متعلق علامہ موصوف نے یہ بھی تحریر فرما دیا ہے کہ وہ بھوپال میں کہی گئی تھیں۔ یہ نظمیں عالمی ادب میں شامل ہیں ان نظموں کو اقبال لائبریری کے ذریعہ سے ایک کتابچہ میں ایک جگہ جمع کرا دیا گیا ہے تاکہ اقبالیات سے متعلق جو دانشور تحقیق فرمائیں ان کو سہولت ہو۔ کتاب میں نظموں کا شان نزول بھی مختصر طور پر درج ہے۔ کتاب کا نام "اقبال اور شیش محل" ہے۔ موجودہ بھارت میں شہر بھوپال ہی میں حضرت علامہ نے سب سے زیادہ عرصہ تک قیام فرمایا تھا۔ علامہؒ کے قیام کی وجہ سے بھوپال کا نام عالمی ادب کے نقشہ میں ہمیشہ کے لئے شامل ہو گیا۔ یہ بے جا نہ ہوگا کہ جس طرح جرمنی کے ایک چھوٹے سے شہر ویمر کا نام گیٹے کے تعلق سے عالمی ادب میں شامل ہے اسی طرح بھوپال کا نام بھی عالمی ادب میں شاعر مشرق محمد اقبال کے تعلق سے شامل ہو گیا ہے اور اسی طرح بھوپال دنیائے علم و ادب میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔

حکیم اقبالؒ کا جشن صد سالہ اس سال سارے عالم میں منایا جا رہا ہے۔ آل انڈیا جشن اقبال کمیٹی

جس کا راقم الحروف بھی ایک ممبر ہے حکومت ہند کے
خاص تعاون سے دہلی میں ۸ ۲ اکتوبر ۷۰ سے جشن صد سالہ
کے سلسلے میں ایک شاندار پروگرام شروع کر رہی ہے
ان پروگراموں میں خاص خاص پروگرام یہ ہیں۔
۱۔ ایک شاندار انڈو پاک مشاعرہ جس کا افتتاح چیف جسٹس
آف انڈیا کر رہے ہیں۔
۲۔ ایک عالمی سیمینار جس میں ۲۵ دانشور دوسرے ممالک
سے شرکت کر رہے ہیں اور تقریباً اسی قدر دانشور ہندوستان
کی مختلف زبانوں میں اقبال پر اپنے مضامین پیش کر رہے
ہیں۔
۳۔ ایک شاندار مرقع بھی اس موقع پر "مرقع اقبال" کے
نام سے پیش کیا جا رہا ہے جس کا افتتاح حکومت ہند کے
وزیر اڈوانی صاحب کر رہے ہیں۔
۴۔ اقبال کی زندگی اور شاعری کے متعلق ایک فلم ڈاکومینٹری
بھی پیش کی جا رہی ہے۔
۵۔ آل انڈیا اقبال اکیڈمی کا قیام عمل میں لایا جا رہا ہے جس
کے لئے ایک شاندار عمارت بھی دہلی میں تعمیر کی جائے گی۔
۶۔ اقبال کے کلام پر تحقیق کرنے کے لئے مختلف یونیورسٹیوں
میں اقبال چیئر کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔
میرے علم میں آیا ہے کہ مدھیہ پردیش
اردو اکیڈمی ایک آل انڈیا مشاعرہ اور ایک شاندار سمپوزیم
عنقریب کرانا چاہتی ہے۔ اقبال کے ایک ادنیٰ نعش بردار
اور سخت کوش ہونے کے رشتے سے جس کا آپ کو بھی
بخوبی علم ہے۔ میری ادب کے ساتھ درخواست ہے کہ

مدھیہ پردیش اردو اکیڈمی بشاعرہ اور سیمپوزیم اقبال کے بھوپال سے خصوصی تعلق کے رشتہ سے جشن اقبال صدی کے سلسلہ میں منعقد کرے میری رائے میں یہ بہترین شروعات اکادمی کے کاموں کی ہوگی اور نہ صرف اکادمی کے نام میں چار چاند لگیں گے بلکہ حکومت مدھیہ پردیش نہ صرف سارے ہندوستان بلکہ ساری دنیائے ادب میں بہت زیادہ بلند ہوگا اور اس کا ایک تاریخ ساز کارنامہ ہوگا اس سلسلہ میں جو بھی طے فرمایا جائے اس سے مجھے مطلع فرمانے کی زحمت گوارہ فرمائی جائے۔ والسلام

مخلص

ممنون حسن خاں

ممنون صاحب نے اس سلسلہ میں ۲۶ اکتوبر کو وزیر تعلیم سے ملاقات فرمائی اور ۲۷ اکتوبر کو انھیں عریضہ ارسال فرمایا۔

ہمایوں منزل۔ بھوپال

۲۷ اکتوبر ۱۹۷۶ء

منجانب ممنون حسن خاں۔ سابق سکریٹری شاعر اعظم علامہ اقبال و سرپرست اقبال لائبریری۔ بھوپال۔

بخدمت شری ہری بھاؤ جوشی۔ وزیر تعلیم حکومت مدھیہ پردیش بھوپال

شریمان۔ آداب عرض ہے

میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ نے ۲۶ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو مجھے ملاقات کا موقع عطا فرمایا اور میری گفتگو کو جو میں نے جشن اقبال صدی کے متعلق آپ سے کی، ہمدردی اور دلچسپی سے سنا۔ آپ نے میری گزارش پر مدھیہ

پردیش اردو اکادمی کے ذریعہ بھوپال میں جشنِ اقبال صدی کے سلسلہ میں اقبال پر ایک اعلیٰ پیمانہ پر جو سیمینار کرانے کا فیصلہ فرمایا ہے اس کے لئے میں آپ کا بہت شکرگزار ہوں۔ آپ کے اس فیصلے سے علمی اور ادبی حلقوں میں بہت مسرت ہوئی ہے۔

شمس رہبر

نوٹ:۔ اس خط کو ہندی میں لکھ کر شری ہری بھاؤ جوشی کو ارسال کیا گیا۔

سنون صاحب نے اپنی کارگزاری کے بارے میں علی سردار جعفری کو بھی تحریر فرمایا۔ ان کا مکتوب مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۷۷ء ملاحظہ فرمائیں۔

ہمایوں منزل نزد نادرا اسٹیشن
بھوپال۔

برادر عزیز علی سردار جعفری صاحب! تسلیمات

میرے کئی خطوط آپ کو ضرور ملے ہوں گے۔ لیکن کوئی مرسلہ جواب طلب نہیں تھا۔ بہرحال خیریت مطلوب ہے حالانکہ اس دوران میں برابر کسی نہ کسی ذریعہ سے آپ کی خیریت وعافیت معلوم کرتا رہا ہوں۔ میں جشن اقبال صدی میں حاضر نہ تھا۔ لیکن یقین فرمائیں میری روح برابر آپ کے ساتھ تھی گو جسم یہاں تھا۔ میں نے ریڈیو پر آپ کی وہ تقریر سنی جو آپ نے جشن صدی تقریبات کے اختتام پر فرمائی تھی۔ جشن کی کامیابی پر دلی مبارکباد قبول

یہ تو آپ ہی کا دم ہے کہ یہ تجویز پاس ہوئی کہ
پاکستان، ہندوستان، سوویت روس، افغانستان
اور ایران اقبالیات پر تحقیق کریں۔ اور یونیسکو اس کام
میں پورا تعاون کرے آپ کا یہ عظیم الشان تاریخی
کارنامہ ہے۔ اور آئندہ آنیوالی نسلیں اقبال کے کلام
کے ساتھ آپ کا نام بھی ادب و احترام سے لیں گی۔ میری
مسرت کی کوئی انتہا نہیں۔ آپ کی کیا تعریف
کی جا سکتی ہے۔ میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں ع

تحسین ترا تو ستایانے تحسیں چہ کار آید

مدھیہ پردیش میں ایک اردو اکیڈمی
گورنمنٹ نے قائم کی ہے۔ یہ لوگ ایک مشاعرہ اور ایک
سیمینار کر رہے ہیں جب مجھے معلوم ہوا تو میں وزیر تعلیم
کے پاس خود گیا اور میں نے ان کو راضی کیا کہ وہ مشاعرہ اور
سیمینار کو جشن اقبال صدی کے سلسلہ میں کرائیں۔ بہرحال
میری پوری تجویز تو منظور نہیں ہوئی لیکن یہ طے کیا گیا کہ
سیمینار صدی کے سلسلے میں ہوگا۔ اور اقبال پر مضامین
پڑھے جائیں گے۔ بہرحال حالاتِ حاضرہ میں یہی غنیمت ہے
انشاءاللہ آپ کو مشاعرہ اور سیمینار میں
ضرور مدعو کیا جائے گا۔ میں اکادمی کا ممبر نہیں ہوں لیکن
چونکہ آپ سے ملنے کے لئے میں بیتاب ہوں اس لئے آپ
ضرور بلائے جائیں گے۔ اگر آپ تشریف نہیں لائے تو
تو پھر میں خود ہی آپ سے ملنے کے لئے دسمبر ۷۷ء کے پہلے
ہفتہ میں آؤں گا۔ اور آپ سے گلے مل کر مبارکباد دوں گا۔

فرمائیں۔ والسلام

باقی بوقت ملاقات   آپ کا بھائی

ممنون حسن خاں

اس عرصہ میں مدھیہ پردیش مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی جبلپور نے اقبال صدی تقریبات میں شرکت اور سووینیر کے پیغام کے لئے ممنون صاحب سے گذارش کی۔ دعوت نامہ پر تاریخ درج نہیں لیکن پر ممنون صاحب کا ۵ رجنوری کا نوٹ درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی دن انھوں نے جواب تحریر کر دیا تھا اور یہ کہ دعوت نامہ ۵ رجنوری سے قبل موصول ہوا تھا دعوت نامہ کا اقتباس درج ذیل ہے۔

بخدمت جناب ممنون حسن خاں صاحب قبلہ

سلام مسنون۔

"مدھیہ پردیش مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی جبلپور اقبال صد سالہ منا رہی ہے۔ ہمارے علاقہ میں آپ جیسی مقتدر ہستی جو اقبال کی صحبت یافتہ رہ چکی ہے کی شرکت ہمارے لئے باعث افتخار ہوگی۔

آپ اقبال کے متعلق جو بات کہیں گے وہ ہمارے لئے نئی ہوگی آپ کی شرکت سے ہمارے پروگرام کی رونق میں اضافہ ہوگا۔"

مدھیہ پردیش اردو اکیڈمی نے بھی ۲ر فروری ۱۹۷۹ء کے مکتوب کے ذریعہ ممنون صاحب کو اپنی تقریبات میں شرکت کی دعوت دی۔

محمد سعید ایم پی اے الف/۷۰/۱۵

۳/۱۰۶ پروفیسرز کالونی بھوپال   ۲ر فروری ۱۹۷۹ء

آپ یقیناً واقف ہوں گے کہ مدھیہ پردیش
اردو اکیڈمی کا قیام عمل میں آچکا ہے۔ یہ جان کر آپ کو
مسرت ہوگی کہ اکیڈمی نے یہ طے کیا ہے کہ اقبال صدی
کی تقریبات شاندار پیمانہ پر منائی جائیں۔ اس سلسلہ
میں مجلس مذاکرہ منعقد کی جائے گی۔ جس میں اقبال
کی شاعری کے مختلف گوشوں پر مقالات اور تقاریر کے
ذریعہ علامہ اقبال کو خراجِ عقیدت پیش کیا جائے گا۔
اکیڈمی نے یہ بھی طے کیا ہے کہ اس موقع پر پڑھے جانے
والے مقالوں کو کتابی شکل میں شائع کرنے کی کوشش
کی جائے۔

ہماری خواہش ہے کہ آپ اس مجلس مذاکرہ میں
شرکت فرما کر مدھیہ پردیش کی نمائندگی فرمائیں اور اپنے
مضمون، مقالے یا تقریر سے مستفید کرنے کا موقع
عطا فرمائیں۔

مہربانی فرما کر اپنی منظوری سے جلد مطلع فرمائیں
اور کوئی بات تشریح طلب ہو تو بلا تکلف لکھ دیں۔ آپ کے
جواب کا ہمیں انتظار رہے گا۔

نیازمند

(حسن علی)
سکریٹری

جناب ممنون حسن خاں صاحب
بھوپال

مون صاحب نے ۱۴ فروری ۱۹۷۸ء کو جواب دیا جس کی نقل درج ذیل ہے۔

ہمایوں منزل بھوپال

۱۴ فروری ۱۹۷۸ء

سید محترم جناب محسن علی صاحب! سلام مسنون

مدھیہ پردیش اردو اکیڈمی کی طرف سے آپ نے جو دعوت نامہ ارسال فرمایا ہے۔ موصول ہوا۔

یہ امر ادب عالیہ کے ہر شیدائی کے لئے یقیناً باعث مسرت ہوگا کہ اکادمی مذکور اقبال صدی کے سلسلہ میں ایک مجلس مذاکرہ منعقد کر رہی ہے۔ شاید آپ کو معلوم ہو کہ حضرت علامہؒ کے ادنیٰ کفش بردار ہونے کی حیثیت سے اور اس خاص تعلق کے پیش نظر جو حکیم موصوف کا ہمارے عزیز بھوپال سے رہا تھا اور جس تعلق کی بدولت عالمی ادب عالیہ کی دنیا میں زندہ و جاوید ہو گیا ہے۔ میں نے خود آپ کے عالی مقام وزیر با تدبیر شری ہری بھاؤ جوشی سے عرض کیا تھا کہ وہ اقبال صدی کے پیش نظر ایسی مجلس مذاکرہ اور مشاعرہ اردو اکادمی کے ذریعے منعقد کرائیں جو اردو اکادمی کی ایک اچھی شروعات ہوگی اور صاحب موصوف نے ازراہ کرم میری درخواست منظور فرمائی تھی۔ اس لئے مجھے خاص طور پر اور بھی زیادہ خوشی ہے کہ یہ مجلس آں محترم کی قابل قدر رہبری میں منعقد کی جا رہی ہے۔ اس کی کامیابی کی ضمانت ہے آں مکرم نے بمہربانی خاص اس مجلس میں شرکت کی جو دعوت دی ہے اس کے لئے خاکسار آپ کا اور اردو اکادمی کے

لائق اور فاضل ممبران کا بے حد ممنون ہے۔

شاید آپ محترم کے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ گذشتہ دنوں شری ہری بھاؤ جوشی سے ملنے کے بعد ہی مجھے قلب کی شکایت ہو گئی تھی اور اس "درد دل" نے مجھے کئی ہفتے صاحب فراش رکھا۔ میرے معالج کی ہدایت ہے کہ میں بہت احتیاط سے کام لوں۔ اس لئے میں آجکل بہت ہی کم لکھنے پڑھنے کا کام کر رہا ہوں۔ آپ نے اپنے مکتوب گرامی میں یہ نہیں بتایا ہے کہ یہ مجلس مذاکرہ کس تاریخ کو منعقد کی جارہی ہے لیکن اخبارات سے مشاعرہ کی جو تاریخ معلوم ہوئی اس سے میں خیال کرتا ہوں کہ مجلس مذاکرہ ماہ رواں کے تیسرے یا چوتھے ہفتے میں منعقد کی جارہی ہے اگر میرا خیال صحیح ہے تو اتنے کم وقت میں اپنی کمزور صحت کے پیش نظر میرے لئے یہ ممکن نہیں ہوگا کہ میں شاعر مشرق کی آفاقی شاعری یا ان کے زندہ جاوید فلسفہ سے متعلق کوئی نیا مضمون لکھ سکوں کیونکہ میرے خیال میں اقبالیات پر آپ کی اکادمی کی مجلس مذاکرہ میں بالکل جدید مضامین پیش ہونا چاہئے اور اپنے صحت کی موجودہ حالت اور اپنی کم علمی کے پیش نظر میں نہیں سمجھتا ہوں کہ اس قدر عجلت میں کم از کم میں کوئی نیا مضمون پیش کر سکوں۔ (گا) اگر مجھے آپ کی طرف سے پہلے یہ بات معلوم ہو جاتی تو رفتہ رفتہ میں اقبالیات کے ہزار ہا گوشوں میں سے کوئی آسان لیکن نیا گوشہ تلاش کر کے اس پر قلم اٹھانے کی جسارت کرتا۔ بہر حال میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اس لائق

مجبا کہ میں مجلس مذاکرہ میں شرکت کر سکوں۔ میں
مجلس مذاکرہ اور مشاعرہ کی کامیابی کے لئے دعا کرتا ہوں
ان نیک خواہشات کے ساتھ میں ہوں

آپکا نیازمند
ممنون
(مسعود حسن خاں)

بخدمت عالی جناب سید محسن علی صاحب
سکریٹری۔ اردو اکادمی۔ بھوپال

ممنون صاحب کی کوششوں سے مدھیہ پردیش اردو اکیڈمی نے ۲۳ اور ۲۴ فروری ۱۹۷۸ء کو "مجلس مذاکرہ" کا اہتمام کیا جس میں چوٹی کے ناقدین اور محققین نے حصہ لیا۔ ممنون صاحب نے "مجلس مذاکرہ" میں مقالہ تو نہیں پڑھا لیکن وہ پابندی سے وقت سے پہلے ٹیگور ہال پہونچ جاتے اور بڑی اور محویت سے مقالے اور بحث سماعت فرماتے۔ انھوں نے خواجہ احمد فاروقی صاحب سے ملاقات کی اور شیش محل کا مقدمہ پیش کیا۔ پروفیسر فاروقی نے اپنے صدارتی خطبہ میں بڑے پروقار انداز سے شیش محل میں "اقبال یادگار" کا مطالبہ رکھا:

"جب جرمنی گیا تھا تو ہائیڈل برگ میں ایک جگہ میں نے ایک تختی لگی دیکھی جس پر لکھا ہوا تھا کہ یہاں ۱۹۰۷ء میں اقبال نے قیام کیا تھا۔ حکومت جرمنی نے اس مکان کو اقبال یادگار کے لبطور محفوظ کر لیا ہے۔ بھوپال نے بھی اقبال کی بڑی قدر دانی کی تھی۔ نواب حمید اللہ خاں نے ان کو لائف پنشن دی تھی۔ یہاں اقبال نے شیش محل میں قیام کیا تھا جسے یادگار شکل میں محفوظ کرنے کی ضرورت ہے"

مجلس مذاکرہ کی آخری نشست میں ڈاکٹر سلیمان نوری کے سوالات اور مباحث کے بعد دوسرے دن مجددیہ کالج میں سیمینار کا سلسلہ جاری رہا اور ظ۔ انصاری نے اپنی تقریر میں اقبالیات کے سوالات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا۔ مرزا [illegible] جوشی کے اعلان کے مطابق "مجلس مذاکرہ" کے مقالات "اقبال آئینہ خانے میں" کے عنوان سے شائع ہوئے ہیں۔ پروفیسر آزاد احمد صاحب نے ترتیب دیا۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"اقبال میموریل سیمینار کی تیسری نشست ۲۴ فروری کو منعقد ہوئی۔ اس کے صدر [illegible] ڈاکٹر گیان چند تھے۔

اس نشست کا پہلا مقالہ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی کا تھا جس میں خواجہ صاحب نے اپنے زرنگار نثر میں اقبال کے خطوط کا جائزہ لیا تھا۔ خواجہ صاحب نے اقبال کو [illegible] قرار دیا جس نے مستقبل کی امید افزا تصویر کھینچ کر صبح [illegible] کی خبر دی۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اقبال کی شاعری بغیر نثر کی مدد کے سمجھ میں نہیں آسکتی اور خطوط میں ان کی سیرت اور شخصیت کے اہم نقوش ملتے ہیں۔

اس مقالہ میں خواجہ صاحب نے اقبال کے خطوط کے مجموعوں کا حوالہ دیتے ہوئے اقبال کے نقطۂ نظر، ان کی شاعری، اہم نظموں کی شان نزول، [illegible] قرب کی خواہش [illegible] خرابیوں سے آگاہی اور [illegible] کا اظہار، علمی نکات و معارف، بنیادی خیالات اور [illegible] ضروریات پر روشنی ڈالی۔ [illegible]

خطوط کو اقبال کی زندگی کے بہت سے اہم گوشوں پر روشنی ڈالنے والا بتاتے ہوئے کیا۔ معنویت سے بھرپور جملہ لکھا ہے کہ "یہ شراب جام بلور کے باہر بھی عکس ریز ہونے لگتی ہے۔"

خواجہ صاحب نے اقبال کے خطوط کے اسلوب کا جائزہ بھی پیش کیا کہ "یہ خطوط سوانحی، جذباتی اور فکری اہمیت سے قطع نظر اسلوب کی خوبصورتی اور نثر کی شگفتگی سے بھی خالی نہیں ہیں۔"

ڈاکٹر اخلاق اثر نے جو بھوپال کے ریجنل کالج آف ایجوکیشن میں شعبہ اردو کے صدر ہیں اور جنکی کتاب "اقبال اور شیش محل" حال ہی میں شائع ہوئی ہے سوال کیا کہ علامہ اقبال نے ایک ہی دن، ایک ہی تاریخ میں ایک ہی مکتوب الیہ کو تین خط تحریر کئے ہیں اسکی وجہ عجلت پسندی یا غور و فکر کی کمی ہے یا کوئی اور سبب ہے؟"

اس موقع پر اختر سعید صاحب نے جناب ممنون حسن خاں کو دعوت دی اور کہا کہ "ایک جیتی جاگتی شہادت یہاں موجود ہے جس نے ان آنکھوں کو دیکھا ہے۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اس وقت ممنون صاحب ہمارے درمیان موجود ہیں۔"

ممنون صاحب کی آمد پر سامعین نے بے اختیار تالیاں بجاکر ان کا خیر مقدم کیا۔ ممنون صاحب جنھیں سر راس مسعود نے اقبال کا اکریمانی کہا تھا فرمارہے ہیں: "مجھے علامہ کا کام بطور سکریٹری کرنا پڑتا تھا۔ وہ تمام خطوط اور تار

مجھے دیدیا کرتے تھے۔ اور مجھکو خاص طور سے ہدایت تھی کہ میں ان کے جوابات جلد از جلد ان سے لکھوالوں کچھ تو وہ مجھکو خود بول دیا کرتے تھے کہ بھئی اس کا جواب اس طرح سے لکھ دو میں دستخط کر دوں گا۔ لیکن جو خاص خاص لوگوں کے خطوط ہوتے تھے ان کا جواب وہ خود تحریر کرتے تھے۔ ایک دن انھوں نے مجھے خطوط کی گڈی دی اور کہا کہ منون صاحب، ذرا اس کو دیکھ لینا۔ ان میں برٹرینڈ رسل کا خط ہے۔ اس میں مارگن فاسٹر کا خط ہے اس میں رائٹ آنریبل فشر کا خط ہے اور ان کے جواب میں چاہتا ہوں کہ آج ہی آپ مجھ سے لکھوائیں۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ علامہ چاہتے تھے کہ خطوط کے جوابات جلد از جلد دے دیئے جائیں۔

خواجہ احمد فاروقی نے فرمایا کہ اقبال نے اس کا اہتمام کیا ہے کہ خط کا جواب مختصر ہی کیوں نہ ہو فوراً دے دیا جائے۔ یہ اہتمام غالب بھی کرتے تھے اور مشرقی اقدار کے حامل جو لوگ ہیں وہ اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ کہ خط کے جواب میں تاخیر نہ ہو بہر حال فوراً جواب دیتے تھے۔ انھوں نے زیادہ بڑے نہیں مختصر خط لکھے ہیں۔ اس طرح ممکن ہے کہ چند باتیں رہ گئی ہوں اور انھوں نے دوبارہ خط لکھ دیا ہو۔ اس طرح کی مثالیں بھی ہیں۔"

(اقبال آئینہ خانے میں۔ مرتب:۔ آفاق احمد ص ۱۹-۲۰-۲۱)

"اقبال آئینہ خانے میں" کی رسم اجراء کے لئے سردار جعفری تشریف لائے تھے انھوں نے کل ہند اقبال صدی تقریبات کمیٹی کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے فرمایا کہ اقبال کا سیالکوٹ لاہور اور بھوپال سے قریبی

تعلق رہا تھا۔ اسلئے بھوپال کے شیش محل میں اقبال کی یادگار کا قیام ایک یادگار
کارنامہ ہوگا۔ سنا ہے کہ شیش محل میں کسی بینک کا دفتر ہے۔ اس موقع پر اقبال
کا یہ شعر پڑھا۔

رعنائی تعمیر میں رونق میں صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات

اس طرح بھوپال کی فضاؤں میں اقبال اور شیش محل کا
نام برابر گونجتا رہتا ہے۔ میں نے دوسرے کاغذات کا جائزہ لیا تو پروفیسر جگن ناتھ آزاد
اور ظ انصاری کے نام مکتوب کی نقل موجود تھی۔ ۱۹ جون ۱۹۷۸ء کو پروفیسر
آزاد کو تحریر فرمایا تھا کہ۔

بسم اللہ

ہمایوں منزل
نزد فائر اسٹیشن
فون ۲۱۲۷ / ۴۵۶۷

بھوپال۔ ۱۹ جون ۱۹۷۸ء

جان برادر! سلام و رحمت۔
آپ کا مکتوب گرامی مورخہ ۱۶ اپریل ۷۸ء اور
کتاب کا پارسل بخیریت تمام مجھے ملا تھا۔ جواب میں تاخیر
میری علالت کی وجہ سے ہوئی معافی کا خواستگار ہوں۔
آپ نے اپنے مکتوب گرامی میں جس خلوص اور محبت کا اظہار
کیا ہے اور کتاب اقبال اور کشمیر جس نوٹ کے ساتھ مجھے
بھیجی ہے اس کے شکریہ کیلئے میرے پاس الفاظ نہیں
ہیں آپ کی محبت اور برادر نوازی کی تعریف کس طرح کروں
ع "تو سراپائے تحسینی ترا تحسین چہ کار آید"
دل سے دعا نکلتی ہے اللہ آپ کے قلم اور زبان
کا زور دن دونی بڑھائے۔ لوسٹ میں جب آپ کا نامہ گرامی

لیا تو میری زبان سے حافظؒ کا یہ مصرع نکلا۔

ع آورد حرزِ جاں زخطِ مشکبارِ دوست

آپ کے لئے میری یہ دعا ہے ؎

نشود نصیب جانت کہ دمے قرار گیرد
تب و تابِ زندگانی بتو ساز گار بادا
(اقبالؒ)

جب آپ کی کتاب ہاتھ میں آئی تو اس وقت تک میں نے نہیں چھوڑا جب تک کہ وہ ختم نہیں ہوگئی۔ حق تو یہ ہے کہ اقبال کے توسط سے آپ نے اپنا نام ادب عالیہ میں زندہ تر اور تابندہ تر کر دیا۔ آپ نے اپنی کتابوں میں اقبالیات کو جس طرح اجاگر کیا ہے اس کے لیے آئندہ آنے والی نسلیں آپ کو انشاء اللہ ادب اور احترام سے یاد کریں گی۔ آپ کا "اقبال" بلند سے بلند تر ہوتا جائے گا اسی طرح آگے بڑھتے رہیئے۔ ایک مقام پر نہ ٹھہریئے زندگی تو "فقط ذوقِ پرواز ہے"

ابھی ۲۱ اپریل ۷۶ء کو میں نے آکاشوانی بھوپال سے یومِ اقبال کے موقع پر ایک مختصر ٹاک نشر کی تھی عنوان تھا " اقبال اور بھوپال " اس ٹاک میں بھوپال میں اقبالؒ کی فیضانی صحبتوں کا ذکر ہے۔ ان سوالات کے جوابات بھی ہیں جو علامہؒ سے دیگر عالم فاضل حضرات نے پوچھے تھے۔ میں نے ٹاک کو ٹیپ کر لیا ہے۔ کبھی موقع ملا تو آپ کو سنائی جائے گی۔ میرے بھائی میری شکل یہ ہے کہ میں بہت ہی کم پڑھا لکھا آدمی ہوں۔

؎ سی و پنج سال عمرم بملازمت لبر شد
بجز شباب خود را ہمہ تیرہ شام کردم

مجھے نہ تو تقریر کرنا آتا ہے اور نہ لکھنا پڑھنا!
بس یہ اللہ کی دین تھی کہ کچھ دنوں اقبال کی کفش برداری کا شرف حاصل رہا ورنہ علم و ادب کی دنیا میں میری کوئی بھی حیثیت نہیں ہے۔ اگر کچھ حاصل کیا ہے تو وہ "نظر" سے کیا ہے۔ "خبر" سے نہیں۔ حشر میں جب حساب کتاب کیا جائے گا تو یہ ضرور عرض کروں گا کہ میرا نامۂ اعمال ضرور سیاہ ہے لیکن میرے مولا میں نے کچھ دنوں اقبال کی قدم بوسی کی تھی۔ مجھے یقین کامل ہے کہ رب جل شانہٗ اقبال کی کفش برداری کے طفیل میرے گناہوں کو ضرور بخش دیں گے۔ اور حضور سرور کائنات کے سامنے میرا حساب نہیں لیں گے۔

یہاں بھوپال میں اقبال پر سیمینار میری ہی درخواست پر اردو اکیڈمی نے منعقد کرایا تھا لیکن میں نے خود کوئی مضمون نہیں پڑھا۔ ایک خاص تحریک کے جانب اب اقبال کا سہارا لئے رہتے ہیں اللہ کی یہ شان ہے کہ "آشفتہ سر" حضرات بھی اب اقبال کو بغضاً ہر نسبت کرتے ہیں۔ بہر حال اپنی اپنی ہمت کے مطابق ہر ایک اقبال کو سمجھنے کی کوشش تو کر رہا ہے لیکن اقبال شناسی کے لئے دل و نگاہ میں یقین محکم اور ایمان کامل کا ہونا لازمی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اقبال ایک تہذیب کا نام ہے۔ اقبال اعلیٰ قدروں کا نام ہے اور سنسکرت کے الفاظ میں میری رائے میں اقبال نام ہے "ستیم شیوم سندرم" کے سنگم کا۔
یہ معلوم کر کے ہمیں مسرت ہوئی کہ اب

آپ یونیورسٹی میں پروفیسر اردو ہوگئے ہیں۔ آپ کا صحیح مقام علم و ادب کی دنیا میں ہے۔ خدا اور ترقی عطا فرمائے اور آپ ہمیشہ جوان رہیں۔

ع ترا شباب مجسمے عمر جاوداں کی طرح

اقبال کا روحانی فرزند ہمیشہ جوان ہی رہے گا

کبھی کبھی ضرور یاد فرمایئے، اور کار لائق سے کبھی یاد فرمائیں خدا جلد ملاقات کرائے۔ جلد ملنے کی کوشش ہونا چاہیئے زندگی کی رفتار بہت تیز ہے۔

ع نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

اس خط کی رسید سے ضرور مطلع فرمایئے گا۔

والسلام

آپ کا بھائی

شمسو

۲۰ مارچ ۱۹۷۶ء کو ظ انصاری کو اس طرح یاد کیا۔

ممنون حسن خاں

ہمالیہ ہاؤس

[illegible]

بھوپال (۴۶۲۰۰۱)

۲۰ مارچ ۱۹۷۶ء

مخدومی و مکرمی انصاری صاحب۔ تسلیم نیاز

نمایاں ایوارڈ کے لئے مبارکباد قبول فرمایئے۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ اقبال کے الفاظ میں آپ کیلئے میری دعائیں۔

"نہ شود نصیب جانت کہ دمے قرار گیرد"

"تب و تابِ زندگانی بتو سازگار بادا"

آپ ہمارے شہر میں تشریف لائے اور بہت جلد چلے بھی گئے ہم خردؔ کی یہی دعا کرتے رہے۔

"باشد کہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری"

بہر حال جب ہم آپ کے شہر میں آئیں گے تو آپ کے سلام کے لئے آستانہ دولت کو ضرور بوسہ دیں گے شاید وہاں یہ دعا قبول ہو جائے۔ ابھی ابھی اخلاق اثرؔ نے آپ کی کتاب "اقبال کی تلاش" لاکر مجھے دی ہے۔ اطمینان کے ساتھ پڑھوں گا۔ تلاش جاری رہنا چاہئے بلکہ دن میں چراغ ہاتھ میں لیکر" تلاش کرنا چاہئے لیکن آپ نے تو تلاش کر ہی لیا ہے۔ معلوم نہیں آپ کو کافر زماں ملا یا مسلماں۔

اگر برادر محترم سردار جعفری صاحب سے آپ کی ملاقات ہو تو میری طرف سے ان سے فرمائیے کہ جلد خیریت سے مطلع فرمائیں۔ میں دو خط خیریت معلوم کرنے کے لئے ارسال کر چکا ہوں لیکن جواب نہیں آیا ہے۔ فکر ہے۔

عزیز گرامی مجروحؔ صاحب بھی اگر مل جائیں تو میرے سلام کے بعد یہ فرمائیے کہ ان کا یہ مصرع اب تک کانوں میں گونج رہا ہے۔

"اپنی کلاہ کج ہے اسی بانکپن کے ساتھ"

والسلام

نیاز مند

محفوظ حسن خان

جناب سید مظفر حسین برنی سکریٹری مرکزی وزارتِ داخلہ معزّز عقیدت مندوں میں سے ہیں۔ انھوں نے یکم اپریل ۱۹۸۰ء کو مکتوب روانہ کیا جو درج ذیل ہے۔

ایس ایم ایچ برنی
یونین ہوم سکریٹری

منسٹری آف ہوم افیئرس
نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱
یکم اپریل ۱۹۸۰ء

مکرمی و محترمی دام اقبالہم

تسلیمات

آپ کا گرامی نامہ ملا۔ آپ کی تہنیت کے لئے دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ کی بات دلشگفتہ تھی دل پر خاص اثر ہوا کہ آپ آج برکاتِ اقبال سے بہرہ ور ۵۰ گئے ہیں کاش Board کی طرح آپ کے ہمراہ رہتا۔ اور ڈاکٹر صاحب کے بارے میں گھنٹوں باتیں ہوتیں۔ آپ کی نیک خواہشات اور دعاؤں کا طلبگار ہوں کہ اللہ کا فضل و کرم اور آپ کی دعائیں میری کامیابی کی ضامن ہوں گی۔

آپ کا نیازمند
سید مظفر حسین برنی

کبھی دہلی تشریف لائیں تو مطلع فرمائیے گا۔ آپ کی خدمت میں حاضری اور درسِ اقبال حاصل کرنے کا وسیلہ رہے گی۔

۱۱ اپریل ۱۹۸۰ء کے مکتوب میں مسرور صاحب اپنی بیماری کا حال بیان فرماتے ہیں۔

۱۲ اپریل [illegible]

برادرِ محترم تسلیم

گرامی نامہ موصول ہوا۔ یاد آوری کا شکریہ

میں ۱۵ اور ۱۶ فروری کی رات کو بیمار ہوا تھا۔ پیشاب رک گیا تھا۔ ڈاکٹر نے ربڑ کی نلی ڈال دی۔ افاقہ نہ ہو سکا۔ ۲۱ مارچ کو [illegible] پروسٹیٹ کا آپریشن ہوا اور ۳۱ مارچ کو میں اسپتال سے گھر آ گیا اب روبصحت ہوں۔ خدا کے فضل سے آپریشن کامیاب ہوا۔ اور صحت بھی جلد واپس آ رہی ہے۔ ۲۷ اپریل تک علاج جاری رہے گا۔ زخم بھر گیا ہے اور اب پیشاب نارمل آ رہا ہے۔ آپریشن بھی جدید ترین آلات سے کیا گیا جس کی وجہ سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ ان آلات کے استعمال سے پیٹ میں چیرا لگانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ ریڑھ کی ہڈی میں انجکشن دے کر نصف جسم کو سن کر دیتے ہیں اور پیشاب کی نلی کے راستے سے بجلی کے ذریعے آپریشن کر دیتے ہیں۔ یہ تفصیل اس لئے میں لکھ رہا ہوں کہ خدانخواستہ کبھی بھی آپ کے کسی دوست کو اس طرح کی تکلیف ہو تو بمبئی کی طرف رجوع کریں۔ بہت بڑی تکلیف سے نجات حاصل ہو جائے گی۔

ابھی گھر میں زیادہ وقت بستر پر گزرتا ہے تھوڑی دیر بیٹھنے کی اجازت ہے۔ چلنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ میری صحت کی یہ اطلاع برادر عزیز اختر سعید خاں صاحب کو بھی دے دیجئے گا۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا

آپ کا
سردار جعفری

پس نوشت

اس بیماری کا حاصل بہتر صحت ہے
اور کچھ سات اچھی نظمیں جو علالت کے دوران میں
کہیں، وہ سب نظمیں "اردو بلٹز" میں شائع ہو گئی ہیں
ایک نظم "کربلا" مجھے بہت پسند ہے میں اس کا شمار اپنی
بہترین نظموں میں کرتا ہوں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے
میں چالیس پچاس سال سے اس نظم کا انتظار کر رہا تھا۔

سردار

علامہ اقبال کے صاحبزادہ جاوید اقبال سے مغنون صاحب کی مراسلت
تھی۔ جاوید اقبال نے ۷ ستمبر ۱۹۸۰ء کو مغنون صاحب کو مکتوب روانہ فرمایا تھا
جس سے ان کا قریبی تعلق نمایاں ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہائی کورٹ
لاہور
مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۸۰ء

محترمی و مکرمی جناب مغنون حسن خاں صاحب

السلام علیکم

آپ کا خط موصول ہو گیا۔ بہت بہت شکریہ۔
اس سے پیشتر بھی مجھے آپ کا خط ملا تھا جس کا میں نے
جواب دیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے میرا وہ خط آپ کو نہیں ملا
یا شاید گم ہو گیا ہو یا دیر سے ملا ہو۔
بہر حال مجھے آپ کا خط موصول ہو کر
بڑی مسرت ہوئی۔ میں آپ کو دل سے پہچانتا [illegible]

یادیں ابھی تک میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو زندگی دے۔ ابھی ابھی علامہ مرحوم کے خطوط میری نگاہوں کے سامنے سے پھر گئے جو انھوں نے آپ کے نام سر راس مسعود کی وفات کے بعد لکھے تھے۔

کبھی لاہور ضرور تشریف لائیے آپ سے ملنے کو دل چاہتا ہے۔ میری تو ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ علامہ مرحوم کے پرانے جاننے والوں سے میرے روابط قائم رہیں بیگم راس مسعود (بیگم چھتاری) سے تعلق قائم رکھا نادرہ مرحومہ بھی جب تک زندہ رہیں ان سے ملاقات ہوتی تھی۔

ابھی پچھلے دنوں سر راس مسعود کے پوتے (احمد مسعود) لاہور آئے ہوئے تھے اپنی بیگم صاحبہ کے ہمراہ مجھ سے ملنے آئے اور مجھے بڑی مسرت ہوئی۔ اب تو وہ واشنگٹن چلے گئے ہیں کیونکہ وہیں ورلڈ بینک میں ملازم ہیں۔

خدا کرے میرا یہ خط آپ تک پہونچ جائے حیران ہوں پچھلا خط آپ کو کیوں نہیں ملا۔

خیر اندیش

جاوید اقبال

ممنون صاحب کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ سر راس مسعود نے نہ صرف زبانی بلکہ قانونی طور پر کیلاش ناتھ کول، اندرا گاندھی کے ماموں اور یونیورسٹی برائے زراعت و صنعت، کانپور کے وائس چانسلر کو اپنا بیٹا۔ خود ممنون صاحب کو سر راس مسعود بیٹے کی طرح سمجھتے تھے (راس مسعود، کیلاش ناتھ کول، اور ممنون صاحب کے درمیان

اور بے پناہ محبت تھی۔ جو فائل میں موجود مراسلت سے ظاہر ہو رہی تھی۔ کیلاش ناگل نے ۲۵ ر اکتوبر ۱۹۸۰ء کو اپنے سفر دوبئی کے سلسلہ میں لکھا کہ :-

"انتہائی حیرت انگیز واقعہ اس وقت وجود میں آیا جب انور مسعود نے مجھے ٹیلیفون کیا۔ مقامی اخبار میں میرا انٹرویو شائع ہوا تھا۔ اور انور مسعود نے اسی کے ذریعہ مجھے تلاش کر لیا تھا۔ وہ ملاقات کے لئے آئے۔ جب نئی دہلی کیلئے روانہ ہونے والا ہی تھا۔ وہ انتہائی خوش رئیسانہ زندگی گزار رہے ہیں۔ شادی ہو چکی ہے اور ایک برٹش فرم میں بڑے اہم عہدہ پر فائز ہیں غالباً نائب پریزیڈنٹ"

انور مسعود نے ۱۷ر دسمبر ۱۹۸۰ء کو تحریر فرمایا تھا کہ :-

"میرے لئے کیلاش سے برسوں بعد دوبارہ ملاقات بڑی خوش کن تھی۔ بلا شبہ اس ملاقات سے بہت سے پُرمسرت واقعات اور بے بہا یادیں ذہن میں روشن ہو گئیں جو کبھی نہ دھندلا سکیں گی"

مہبا لکھنوی کا ایک اور مکتوب مورخہ یکم جنوری ۱۹۸۱ء زیر نظر تھا :-

یکم جنوری ۱۹۸۱ء

گرامی قدر۔ قبلہ ممنون صاحب زاد لطفہ

سلام مسنون

آپ کے دو گرامی نامے موصول ہوئے تھے۔ گذشتہ دنوں لگاتار "اقبال اور بھوپال" کے دوسرے ایڈیشن کی فراہمی میں الجھا رہا تھا۔ خدا خدا کر کے دسمبر ۱۹۸۰ء میں کام کو مکمل اور اقبال اکیڈمی کو ارسال کر دیا۔ اب کتاب طباعت کے مرحلے میں ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ طبع ہو کر

ہی آپ کو رجسٹری سے براہِ راست ارسال کروں گا ——

مطمئن رہیے۔

یہاں "ہجومِ افکار" نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا ہے۔ پہلے کی طرح آج بھی تنِ تنہا افکار کی زندگی کے لئے رات دن محنت کرتا ہوں تب کہیں یہ رسالہ ماہ بہ ماہ شائع ہوتا ہے۔ تازہ افکار جنوری ۱۹۸۱ء آپ کی نذر ہے۔ خوش قسمتی سے ڈاکٹر معین صاحب بھوپال سے آ گئے تو یہ عریضہ بھیجنے اور افکار ارسال کرنے کی سہولت مل گئی۔

آپ ایک بار ضرور کراچی اور لاہور کا چکر لگا جائیے۔ یہاں آپ کے نیاز مندوں کا بہت بڑا حلقہ ہے۔ سید صفدر الاسلام صاحب صرف ایک بار ہی آ کر رہ گئے۔ ان سے عرض کیا تھا کہ آتے رہیے گا لیکن شاید فرصت نہ مل سکی۔ کراچی بمبئی کی طرح بہت مصروف شہر بن گیا ہے۔ ہر شخص صبح و شام سے بے نیاز بھاگ دوڑ میں مصروف ہے۔ میرا بھی یہی حال ہے۔

آپ کی دعاؤں کا طالب ہوں اور آمد کا منتظر بھی

والسلام

آپ کا خادم

صہبا لکھنوی

پس نوشتہ:

اگر آپ کراچی کا قصد فرمائیں تو پیشگی مجھے ضرور اطلاع دیں۔ ویزا کے سلسلہ میں ایک خط بھیج دوں گا جس سے آنے میں سہولت ہوگی۔

صہبا لکھنوی

اقبال اکیڈمی حیدر آباد کے معتمد مصلح الدین سعدی نے ۶ اپریل ۱۹۸۱ء کو مسعود حسین صاحب کی خدمت میں عریضہ روانہ فرمایا تھا۔

۶/۴/۸۱ء

گرامی قدر

السلام علیکم

آپ کے علم میں یقیناً یہ بات ہوگی کہ اقبال اکیڈمی حیدر آباد ماہ اپریل کے آخری ہفتہ میں ہر سال اقبال کی یاد میں علمی جلسوں کا اہتمام کرتی ہے اس سال یہ جلسے ۲۵ و ۲۶ اپریل ۱۹۸۱ء کو منعقد ہو رہے ہیں۔ ان جلسوں میں آپ جیسے اقبال شناس اور اقبال دوست کی شرکت کی ایک زمانہ سے آرزو ہے۔

آپ سے گزارش ہے کہ آپ ان جلسوں میں شرکت فرمائیں۔ اقبال اکیڈمی حیدر آباد آپ کی تشریف آوری کی آرزومند ہے۔

مجھے امید ہے کہ آپ مایوس نہیں فرمائیں گے۔

مخلص

مصلح الدین سعدی

ان خطوط کے علاوہ فائل میں آل انڈیا ریڈیو کے بہت سے کانٹریکٹ بھی تھے جن سے معلوم ہوا کہ مختلف اوقات میں ریڈیو بھوپال سے مسعود حسین خاں کی تقریریں "علامہ اقبال بھوپال میں"، "اقبال اور بھوپال"، "انیس کا فن"، "جگر مراد آبادی کی شاعری"، "شب برات"، "ڈاؤن دی میموری لین" جیسے موضوعات پر نشر ہوئی تھیں۔ انھوں نے غالب صدی کے دوران "مرزا غالب کا انداز بیان" اور "اقبال اور شیخ علی" مذاکروں میں بھی حصہ لیا تھا۔ ادبی رسائل میں بھی ان کی تحریریں شائع ہوئی تھیں: "گفتگو بمبئی"، "افکار کراچی"، "اقبال صدی سووینیر بھوپال"

گیا۔ ان کے مکاتیب "محورِ ادب" "کاروان میں" "فلسفے اور اقبال" اور "اقبال اور شیش محل" میں اسی موضوع پر ان کا مضمون شامل تھا۔ "اقبال اور شیش محل" پر ان کا تبصرہ "ہماری زبان نئی دہلی" اور "ندائے وقت" میں پیش لفظ طبع ہوا تھا۔ بہت سی تقریریں تھیں جن کو کہیں بھیجا نہ گیا تھا۔ شکریہ کے مکاتیب سے معلوم ہوا کہ مہارانی لکشمی بائی گرلز کالج بھوپال میں انھوں نے اقبال توسیعی لکچرز کے سلسلے کا افتتاح فرمایا تھا۔ ریجنل کالج بھوپال میں ان کی صدارت میں جشنِ اقبال صدی کا کل ہند مشاعرہ منعقد ہوا اور ممنون صاحب کی خطابت سے مہاراشٹر، مدھیہ پردیش، گجرات گوا، دمن اور دیو کے طلباء اور اساتذہ بہت متاثر ہوئے تھے۔"

ممنون صاحب نے انگریزی میں بہت سی تقریریں اور خطوط لکھے "بھوپال"، "لیبر جیبلیشن" اور "ڈاؤن دی میموری لین" انگریزی تقریریں بہت مقبول ہوئیں۔ موخر الذکر تقریر بہت ہی اہم ہے جس سے ان کے دلنشیں اسلوب کا نمونہ سامنے آتا ہے۔ ممنون صاحب کا اپنا منفرد اردو اسلوب ہے جس میں اردو فارسی اشعار کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے۔ ان کی تقریر "اقبال کی غزل" کا اقتباس ملاحظہ فرمائیے:-

"اقبال کی شاعری انسانی فکر کی آخری حدود کا پتہ دیتی ہے۔ ہم کو حیرت میں ڈال دیتی ہے اور حیرت ثبوت ہے فن کے کمال کا۔ کیا یہ بات قابلِ حیرت نہیں کہ اقبال نے سولہ سترہ سال کی عمر میں غزل کا یہ بے مثال شعر کہہ دیا تھا:

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

"ندائے وقت" کے پیشِ لفظ کے اسلوب کا نمونہ ذیل میں ہے:-

"اگر قوم کو ایک پیکرِ انسانی سمجھ لیا جائے تو شاعر اس پیکر کی چشمِ بینا ہوتا ہے۔ تو اس آنکھ سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اگر خوشحالی شادمانی اور ترقی ہوتی ہے تو بھی آنکھ مسرت اور محبت کے جذبات سے سرشار ہو جاتی ہے۔"

"اقبال اور شیش محل" میں شارب جذبات سے پیدا شدہ تاثر تو جہ چاہتا ہے۔

"حضرت علامہ کو گئے ایک زمانہ گزر گیا لیکن آج بھی جب میں شیش محل کی طرف جاتا ہوں تو ایک لمحہ کیلئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گردشِ ایام پیچھے کی طرف دوڑ رہی ہے میں جوان ہو گیا ہوں اور کھبراتا ہوا شیش محل میں داخل ہو گیا ہوں۔ ڈیوڑھی میں میاں جاوید اور علی بخش کھیل رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر علی بخش کہتا ہے "خواجہ ڈاکٹر صاحب آپ کو دو بار یاد کر چکے ہیں" میں بیتابانہ اندر داخل ہوتا ہوں۔ سامنے مشرقی کمرے میں حضرت علامہ چارپائی پر بیٹھے ہوئے ہوں۔ سید راس مسعود کے ساتھ گفتگو فرما رہے ہیں۔ سید صاحب اپنے مخصوص محبت بھرے انداز میں چلا کر کہتے ہیں" ارے تو کہاں تھا۔ اقبال تو کئی بار تجھ کو یاد کر چکے ہیں۔" میں ادب سے سلام کرتا ہوا۔ ڈاکٹر صاحب ایک گڈی خطوط اور تاروں کی مجھے دیتے ہیں۔" مخدوم صاحب ان کو دیکھ لینا اور ہاں ان میں برٹرینڈ رسل، فشر، مارگن فاسٹر کے بھی خطوط ہیں۔ ان کے جوابات آج ہی مجھ سے ضرور لکھوا لینا۔"

سید راس مسعود نہایت محبت سے

میری طرف دیکھ کر کہتے ہیں۔ "آخر کار تو اکریان بن ہی گیا" دوستو مجھے ایسا محسوس کرتا ہوں کہ آسمان سے زمین پر پھینک دیا گیا ہوں۔ اور میں مولوی عبدالحق کا یہ جملہ دہراتا ہوں "پنچھی اڑ گیا مگر ڈال اب تک جھول رہی ہے"۔

میں نے آخری جملہ لکھا ہی تھا کہ معلوم ہوا ملنونانی جب غریب خانہ پر تشریف لائے تھیا میں پندرہ بیس سیڑھیاں اترتا ہوا صدر دروازہ تک پہونچا اور ان کو ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ انھوں نے میز پر رکھے ہوئے کاغذ کو پڑھتے ہوئے فرمایا۔

"عزیزم علامہ مجھ ناچیز پر اس درجہ کرم فرماتے تھے کہ انھوں نے آخری دم تک میرے ساتھ خط و کتابت جاری رکھی۔ ان کا آخری خط میرے پاس ان کے انتقال کے ایک روز بعد پہونچا تھا غریب نوازی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے؟"

"مجھے نواب دربار سے وابستہ ہونے کی وجہ سے بڑے بڑے لوگوں سے ملاقات کے مواقع ملے مگر علامہ کی بات ہی کچھ اور تھی۔ کام باتیں بیان کرنے اور لکھنے کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جب ان کا ذکر چھڑ جاتا ہے تو پھر لکھنا کبھی مناسب معلوم نہیں ہوتا دل چاہتا ہے کہ گفتگو میں کوئی اور چیز حائل نہ ہو سکے"

میں نے قلم کاغذ رکھ دیا۔ پاپا نے چائے کیلئے منع فرما دیا تھا اس لئے ٹھنڈا پانی میں نے ان کی خدمت میں پیش کیا دیر تک علامہ کے بارے میں گفتگو ہوتی پھر پاپا نے کاؤں کے واقعات بیان کئے۔ میرے بچوں کی خیریت دریافت فرمائی۔ اور جانے کے لئے تیار ہوئے۔ میں ان کے ساتھ نیچے اترا آیا اور

حسبِ معمول ان کو گھر تک پہونچانے کے لئے آگے بڑھا تو انھوں نے پھر فرمایا "میں اسی لئے کم آتا ہوں کہ آپ کو اتنے دور تک جانے اور آنے کی زحمت ہوتی ہے۔" میں نے عرض کیا: "یہ تو میرا حق اور فرض ہے۔" میرے جواب پر وہ خاموش ہو گئے اور ہم دونوں ان کے دولت کدہ پر پہونچے۔ میں نے ان سے غیر مطبوعہ اور اہم تحریریں عنایت کرنے کی یاد دہانی کی تو انھوں نے بڑی شفقت اور محبت سے بہت سا ایسا مواد عطا کیا جس کا ادب میں برسوں سے چرچا تھا اور دیس بدیس سے انھیں کوئی حاصل نہ کر سکا تھا۔ میں نے متاعِ بے بہا کو بریف کیس میں رکھ لیا اور یہی سولہ جو مختلف ابواب میں شامل ہے۔ اس کتاب کی جان ہے۔ یہ ممنون صاحب کا کرم ہے کہ انھوں نے مجھے اس اعزاز سے نوازا۔

اختر جمال نے علامہ اقبال کے انتقال کے بارے میں ایک واقعہ بیان کیا ہے:۔

"ایک دن جب میں کسی کام سے باہر مکان میں گئی تو میں نے ہمارے ابا اور ان کے عزیز دوست جناب ممنون حسن خاں کو زور زور سے روتے دیکھا۔ ابا کو اس سے پہلے میں نے روتا ہوا نہیں دیکھا تھا۔ میں نے اندر جا کے اماں اور نانا میاں کو بتایا کہ ابا اور ان کے دوست رو رہے ہیں۔ سب بہت سن کر حیران ہو گئے جب ابا خود اندر آئے تو انھوں نے بتایا کہ ممنون حسن خاں یہ اطلاع لے کر آئے تھے کہ علامہ اقبال کا آج صبح پانچ بجے لاہور میں انتقال ہو گیا ہے۔"

اس واقعہ سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ علامہ کی رحلت کی خبر بھوپال کب اور کس طرح پہونچی۔؟ اس لئے میں نے بابا سے وہ آخری سوال کر لیا جس کو میں ایک مدت سے ٹالتا آ رہا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ اختر جمال کے واقعہ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اقبال کے انتقال کی خبر آپ تک

کب اور کیسے پہونچی؟ - پاپا کا رنگ متغیر ہو گیا۔ انھوں نے خود کو سنبھالا [illegible]
اپنے سر کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پھر گویا ہوئے کہ:۔

"ان دنوں میں مدار المہام رودبکاری خاص سے وابستہ تھا۔ لال کوٹھی میں ٹیلیفون ایکسچینج تھا۔ اور صرف نواب صاحب ہی ٹرنک پر بات کر سکتے تھے۔ (۲۰ اپریل) کو ۱۰ بجے کے قریب میں دفتر گیا تو نواب صاحب کے کمرے سے شعیب قریشی گھبرائے ہوئے باہر نکلے اور فرمایا کہ غضب ہو گیا۔ ابھی ٹرنک پر نواب صاحب کو خبر ملی ہے کہ علامہ کا صبح انتقال ہو گیا۔ ہم لوگ اشکبار ہو گئے۔ میں وہاں سے اپنے شاہجہاں آباد کے گھر گیا وہاں سے محمود [illegible] صاحب کے گھر گیا تاکہ وہ "ندیم" میں اس سانحہ کی خبر دے دیں۔"

ممنون صاحب خاموش ہو گئے اور دونوں ہاتھوں [illegible] سر جھکا لیا۔ میں نے اس وقت ان کو تنہا چھوڑ دینا مناسب سمجھا۔ [illegible] ممنون صاحب کے ڈرائنگ روم سے [illegible] مسعود کی [illegible] اور نظر ڈالی اور سلام عرض کر کے باہر آ گیا۔ دور تک [illegible] تھی [illegible] سر جھکائے کھڑی تھیں۔ خدا سلامت رکھے ممنون صاحب [illegible] ڈرائنگ روم سے کتنے دیار روشن ہیں [illegible] کا ایوان۔ گجرا[illegible] اردو کا مقتدرہ ہو یا آفتاب جدید کا ایڈیٹوریل بورڈ ہو، ہر جگہ ممنون صاحب تمام فرائض بحسن و خوبی انجام دیتے ہیں اور [illegible] وظیفہ میں گزرتے ہیں۔

میں نے ایک بار پھر مڑ کر اس شاہراہ پر نظر ڈالی [illegible] کا دولت کدہ تھا۔ جہاں میں اکثر یادوں کے روشن الاؤ کے پاس [illegible] آیا [illegible] سوچ رہا تھا کہ آج کی رات ان پر بہت بھاری ہوگی۔ اور نہ جانے وہ اب [illegible]

بھوپال میں اقبال کی شاعری کا پس منظر

بھوپال میں فطرت کے مناظر و مظاہر [illegible] حسین اور خوبصورت ہیں بھوپال کی ادبی تاریخ بھی اتنی ہی دلکش اور دلفریب ہے۔ بھوپال نے ادب کی اہم شخصیات بھی پیدا کیں اور اردو ادب کی بلند پایہ شخصیات کی قدر دانی بھی کی [illegible] بھوپال نے زبان و ادب، تعلیم و تربیت کے منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے مشاہیر ادب کو بھی مدعو کیا اور انہیں علم و ادب کا [illegible] کیلئے فرصت اور فراغت کے دن بھی مہیا کئے گئے۔ بھوپال [illegible] دیگر [illegible] اور ادب نوازی سے فیض حاصل کرنے والے ادیبوں اور شاعروں کی بڑی تعداد ہے اور اقبال [illegible] ان سب میں [illegible] ہیں [illegible] یہ اقبال کی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] پسند فرمایا۔

اقبال [illegible]

[illegible]

علاوہ [illegible] مثنوی [illegible] اشعار [illegible]

جو ان کی مثنوی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اقبال قرآن کریم پر ایک کتاب تصنیف کر رہے تھے جس کو وہ کبھی

Introduction to the [illegible] Study of Quran اور کبھی Study of Quran

کہا کرتے تھے، اس کے [illegible] (کتابت [illegible] [illegible])

افسوس ہے کہ یہ کتاب مکمل نہ ہو سکی۔ اس کتاب کے مواد کا معیار اس قدر بلند تھا کہ قاہرہ یونیورسٹی کے علمائے کرام نے بھی اس میں اضافے کی صلاحیت نہیں پائی تھی۔

اس مختصر مضمون میں بھوپال میں اقبال کی تحریر کردہ کتاب اور ان کے شان نزول کے بارے میں حقائق پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

اقبال نے تیرہ نظمیں بھوپال میں کہی تھیں جو ضرب کلیم میں شامل ہیں ان نظموں میں سے چھ شیش محل اور سات ریاض منزل میں کہی گئی ہیں۔ "صبح" "سلطانی" "تصوف" "وحی" "مومن" "امرائے عرب سے" "مقصود" "حکومت" "نگاہ" "امید" "ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام" "جمعیۃ اقوام شرق" اور "مولینی" ان نظموں کے نام ہیں۔

اقبال کے ایک میزبان جناب ممنون حسن خاں نے ان نظموں کے شان نزول سے متعلق معلومات عنایت کی ہیں جنکے لئے میں ان کا شکر گزار ہوں۔

ان نظموں میں سے "صبح" "وحی" "مومن" "مقصود" اور "امید" ماحول اور موڈ سے متاثر ہو کر کہی گئی ہیں۔ "امرائے عرب سے" عنوان کی نظم فی البدیہہ اور "سلطانی" "تصوف" "حکومت" "ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام" "جمعیۃ اقوام مشرق" متعلقہ موضوعات پر گفتگو یا بحث مباحثہ کے بعد تخلیق کی گئی ہیں۔

ایک دن ریاض منزل میں اقبال کے ساتھ سر راس مسعود اور ممنون حسن خاں بھی موجود تھے اقبال نے سر راس مسعود سے

فرمایا کہ کل رات دیر تک جاگتا رہا۔ چند اشعار ہوئے ہیں پھر انھوں نے جو اشعار سنائے وہ "وحی" کے عنوان سے "ضرب کلیم" میں شامل کئے گئے ہیں۔

ایک دن ریاض منزل میں فلسفۂ قدیم و جدید پر بحث شروع ہوئی۔ ادبی محفل میں سر راس مسعود اور ممنون حسن خاں موجود تھے اقبال نے افلاطون اور اسپنوزا کا فلسفہ بیان فرمایا اور پھر سر راس مسعود کی خواہش پر افلاطون، سپنوزا اور اپنے فلسفہ سے متعلق اشعار سنائے یہ اشعار "مقصود" کے عنوان سے شائع ہوئے ہیں۔

ریاض منزل میں ایک دن سر راس مسعود اور ممنون حسن خاں کو اقبال کی محفل میں شریک ہونے کا اعزاز حاصل ہوا اقبال شعر و شاعری کے موڈ میں تھے۔ فرمایا چند اشعار "امید" کے عنوان سے کہے ہیں پھر ان اشعار کو آہستہ آہستہ سنایا۔

ریاض منزل کی ایک مخصوص مجلس میں خواجہ غلام السیدین نے اقبال سے نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا کہ "فقر" اور "سلطانی" کے مطالب ذرا تفصیل سے بیان فرمائیں۔ اقبال پہلے تو خاموش رہے پھر "فقر" اور سلطانی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی پھر فرمایا کہ اگر ہم "فقر" کو اچھی طرح سمجھ جاتے تو آج جس غلامی میں مبتلا ہیں اس میں ہرگز نہ ہوتے اس رات "سلطانی" کے عنوان پر چند اشعار قلمبند کرنے کی عزت ممنون حسن خاں کو حاصل ہوئی۔

اقبال ریاض منزل میں مصروف بحث تھے موضوع تھا "تصوف" اقبال نے اس موضوع پر مدلل تقریر کی اور فرمایا کہ تصوف کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے اس سے تصوف کا ذرہ کا بھی

تعلق نہیں ہے سر راس مسعود نے عرض کیا کہ حضرت علامہ تصوف پر کچھ اشعار عنایت فرمائیں اقبال خاموش ہو گئے دوسرے دن جب سر راس مسعود سے ملاقات ہوئی تو سرہانے سے ایک پرچہ نکالا اور فرمایا۔ تم نے کل کچھ کہا تھا میں نے رات یہ کوشش کی ہے پھر "تصوف" کے عنوان سے اشعار سنائے جو اسی عنوان کے سلسلے شائع ہوئے۔

ایک دن ریاض منزل میں اس مسئلہ پر بحث چھڑ گئی کہ حکومت کیلئے سخت کوشی اور کردار کی بلندی لازمی اور ضروری صفات ہیں۔ اقبال نے حکومتوں کے عروج و زوال پر تفصیلی روشنی ڈالی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ساری دنیا کی تاریخ ان کے سامنے کھلی رکھی ہے اس رات تقریباً ۹ بجے ممنون حسن خاں اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے تو علامہ نے فرمایا کہ جس مسئلہ پر بحث ہو رہی تھی اس سلسلہ میں چند اشعار ہو گئے ہیں انھیں نوٹ کر لو یہ اشعار "حکومت" کے عنوان سے شائع ہوئے ہیں

اقبال کو بھوپال کی آب و ہوا بہت پسند تھی اور وہ اکثر اس کی تعریف کیا کرتے تھے ریاض منزل بڑے تالاب کے کنارے واقع ہے اور اقبال ان دنوں ریاض منزل ہی میں مقیم تھے ان کے رہائشی کمرے کے سامنے چاندنی تھی اور سامنے بڑا تالاب یہاں سے بڑا تالاب اور شملہ پہاڑی کا منظر بہت کھلا کھلا اور خوبصورت معلوم ہوتا ہے گرمی کے موسم میں رات کو وہ چاندنی پر ہی آرام فرماتے تھے ایک دن مجلس میں فرمایا یہ جگہ بہت حسین ہے اور حسن سے لطف اندوز ہونے کیلئے "نگاہ" کی ضرورت ہے۔" پھر انھوں نے وہ اشعار سنائے جو انھوں نے بھوپال کے قدرتی حسن سے متاثر ہو کر کہے تھے اور جو "نگاہ" کے عنوان سے شائع ہوئے

ایک دن فجر کی نماز کے بعد شیش محل کے سامنے والے میدان میں ٹہل رہے تھے اور گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے ممنون حسن خاں ان کے ساتھ تھے تھوڑی دیر بعد اقبال شیش محل میں اپنے کمرے میں واپس آئے اور ممنون حسن خاں سے فرمایا یہ دو شعر ابھی ہو گئے ہیں انھیں نوٹ کر لو یہ اشعار مجلس کے عنوان سے شائع ہوئے ہیں۔

ایک دن شیش محل میں اقبال کے ساتھ مولانا سید سلیمان ندوی اور ممنون حسن خاں موجود تھے اقبال نے موسیٰ کے کردار پر تفصیل سے اظہار خیال کیا اور فرمایا کہ کل رات چند اشعار ہو گئے ہیں سنئے۔ یہ اشعار "موسیٰ" کے عنوان سے شائع ہوتے ہیں۔

شیش محل میں اقبال بہت اداس تھے امرائے عرب کے آپس کے جھگڑوں پر بحث ہو رہی تھی اقبال نے بے حد افسوس کے ساتھ فرمایا کہ امرائے عرب غیروں کے اشاروں پر آپس میں لڑ کر خود کو کمزور کر رہے ہیں اور غیر اسلامی طرز عمل کا اظہار کر رہے ہیں پھر دیر تک خاموش رہے۔ چہرے پر شدید غم کے تاثرات رہے کئی بار آہ کی۔ آنکھوں آنسو ڈبڈبا گئی تھی پھر فی البدیہہ اشعار لکھے جو "امرائے عرب سے" کے عنوان سے شائع ہوئے۔

شیش محل میں سورج کی روشنی پھیل چکی تھی مولانا سید سلیمان ندوی اور ممنون حسن خاں اقبال کے حضور میں حاضر تھے انگریزوں کی سیاست اور چالبازیوں پر اظہار خیال ہو رہا تھا اقبال نے سیاست افرنگ کو خوب کھول کر بیان کیا آخر میں فرمایا کہ افسوس ہم ہندوستانی انگریزوں کی غلامی قبول

کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ ہماری تہذیب و تمدن یہاں تک کہ ہماری روح کو ختم کر رہے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ غلام بدن زندہ رہنے کیلئے روح کو بھی قربان کر دیتا ہے۔ سید سلیمان ندوی نے فرمایا آپ اس ابلیسی نظام سے متعلق ایک نظم عطا فرمائیں۔ اقبال خاموش رہے دوسرے دن حسب معمول شیش محل کے میدان میں اقبال کے ساتھ ممنون حسن خاں ٹہل رہے تھے اقبال نے فرمایا علامہ سید سلیمان ندوی کے حکم کی تعمیل ضرور ہونا چاہئے ابھی نوٹ کر لو تمہیں تکلیف دوں گا۔ واپسی پر اقبال نے وہ نظم نوٹ کرائی جس کا عنوان ہے "ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام"

اقبال اپنی قیام گاہ شیش محل میں League of Nations "لیگ آف نیشنز" پر اظہار خیال فرما رہے تھے۔ مسکراتے ہوئے فرمایا بھئی میں تو کہہ چکا ہوں کہ یہ لیگ تو مغرب کے کفن چوروں کی جماعت ہے۔ انھوں نے آپس میں ملکر قبریں تقسیم کر لی ہیں۔ اگر اقوام مشرق اپنی علیحدہ لیگ بنالیں اور آپس میں متحد ہو کر ایک دوسرے کی مدد کریں اور مغربی اقوام کی چالوں کو سمجھ جائیں تو مشرق تو مشرق ساری دنیا کی تقدیر بدل جائے پھر خاموش ہو گئے اور دوسرے دن "جمعیت اقوام مشرق" کے عنوان سے اپنی نظم عنایت کی۔

ایک روز شیش محل میں اقبال نے فرمایا کہ اخبار میں دیکھا تھا کہ پارلیمنٹ میں "مسولینی" پر بڑی لعن طعن ہوئی اور کہا گیا کہ وہ غارتگر اور آدم کش ہے اس کے مظالم کا جلد از جلد خاتمہ کیا جائے۔ اقبال نے پھر فرمایا کہ مجھے یہ پڑھ کر بہت ہنسی آئی میں نے مسولینی کی طرف سے اس کے مشرقی اور مغربی حریفوں کیلئے ایک

جواب نظم کیا ہے۔ پھر انھوں نے اپنی نظم "مسولینی" عنایت کی۔

بھوپال میں آمد کے وقت اقبال اپنی ذہنی زندگی کے سفر پر بہت دور تک نکل آئے تھے اور اقبال کا فلسفہ، اقبال کی فکر ایک خاص موڑ لے چکی تھی اور اس کے واضح نقوش ان نظموں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اقبال کی یہ مشہور نظمیں "ضرب کلیم" کا قیمتی حصہ ہیں: "سلطانی"، "تصوف"، "وحی"، "مومن"، "امرائے عرب سے"، "مقصود"، "حکومت"، "امید"، "ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام"، "جمعیت اقوام مشرق"، اور "مسولینی"۔ اقبال کی ذاتی فکر، دوست احباب سے تبادلۂ خیال اور حالات حاضرہ کا نتیجہ ہیں: "صبح" اور "نگاہ" ماحول اور منظر سے متاثر ہو کر کہی گئی ہیں۔ اور جن پر بھوپال کے اثرات کی نشاندہی کی جا سکتی ہے۔

اقبال نے نظم "صبح" شیش محل کے سامنے والے بنگلے میں صبح کے وقت تخلیق کی تھی فرماتے ہیں:

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا!
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا!

سحر کے وقت بھوپال کی سینکڑوں مسجدوں سے اذان کی آوازیں بلند ہوتی ہیں۔ وہ گنبد صدا تعمیر کرتی ہیں جن کی بازگشت سکانوں میں بیدار ہونے والوں کی زبان پر دیر تک رہتی ہے۔

اقبال نے اپنی نظم "نگاہ" ریاض منزل میں تخلیق کی تھی۔ ریاض منزل بڑی جھیل کے کنارے

منزل سے پرے پھولوں سے لدے تختے، ان سے پرے بڑی جھیل، میدان اور پہاڑیاں بہت خوبصورت معلوم ہوتی ہیں شبِ مالوہ میں ان مناظر کی خوبصورتی میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔ "نگاہ" میں تحریر فرماتے ہیں ؎

بہار و قافلۂ لالہ ہائے صحرائی!
شباب و مستی و ذوق و سرور و رعنائی
اندھیری رات میں یہ چشمکیں ستاروں کی!
یہ بحر! یہ فلک نیلگوں کی پہنائی
سفر عروس قمر کا عماری شب میں
طلوع مہر و سکوت سپہر مینائی
نگاہ ہو تو بہائے نظارہ کچھ بھی نہیں
کہ بیچتی نہیں فطرت جمال و زیبائی

بعض حضرات یہ سوچ سکتے ہیں کہ اقبال نے ان نظموں میں بھوپال، بھوپال کی مسجدوں، بڑا تالاب، شملہ پہاڑی اور شبِ مالوہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ لفظ "بحر" کے استعمال سے بھی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے لیکن اگر اقبال کی فطرت نگاری کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اقبال کی منظر نگاری کے ابتدائی دور میں بھی مقامیت کم ہے اور ایمائی و رمزی انداز بیان زیادہ ہے۔ وہ منظر کی مقامی حیثیت اور اس کی جزئیات کی جگہ منظر کے مجموعی حسن کے تاثر سے اپنی نظموں کو سجاتے ہیں۔

اقبال کی مقامی نظمیں، ہائیڈل برگ میں دریائے نیکر کے کنارے ایک شام"، "کوہ سری پر ابر کی کیفیت"، "کنار راوی کی ایک شام"، "ہمالہ"، "کشمیر کے مطالعہ

لوم ہوتا ہے کہ ان کو مقامیت سے کم دلچسپی ہے بقول ڈاکٹر عبداللہ "اقبال
ر تعین مقام سے زیادہ دلچسپی نہیں۔ وہ حسنِ فطرت کی مصوری میں
کی قید میں مقید ہونے کے بجائے وسعت، شدت اور کثرت کے متلاشی

بال کی یہ دونوں نظمیں سکون کی کیفیت پیش کرتی ہیں اور انھیں حکیمانہ خیالات
کے پس منظر کے طور پر لکھا گیا ہے۔ اقبال کی شاعری میں "اذان" "سحر" "بحر"
ود" "ستارے" "بہار" "لالہ" "لالہ ہائے صحرائی" "نگاہ" "نظر" وغیرہ خاص اور بنیادی
یں سے ہیں جن کو وہ اپنے نظریات کے اظہار و بیان کیلئے کثرت سے استعمال
اور اقبال کی فطرت نگاری اور انداز بیان کے مطالعہ کے بعد ہی ان
نظموں میں بھوپال کے ماحول اور منظر کی عکاسی کو سمجھا جا سکتا ہے۔

اقبال نے ان نظموں کے علاوہ اپنی مشہور مثنوی "پس چہ
یں شامل نظم " در حضور رسالت مآب " کے بہت سے اشعار بھی بھوپال
یں کئے۔ ۳ اور ۴ اپریل ۱۹۳۶ء کی درمیانی شب میں اقبال نے خواب
اسی حالت میں ان پر اشعار کا نزول ہوا۔ ۴ اپریل ۱۹۳۶ء کی صبح
سن خاں اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے اقبال کی
لت دیکھی۔ وہ اس صبح کا حال تفصیل سے بیان فرماتے ہیں۔

> ۴ اپریل ۱۹۳۶ء کی صبح جب
> حضرت علامہ کی خدمت میں
> حاضر ہوا تو انھوں نے فرمایا:-
> رات میں نے سید راس مسعود کے دادا

سید احمد خاں کو خواب میں دیکھا۔ انھوں نے مجھ سے
فرمایا کہ اپنی صحت کیلئے حضور رسالت مآبؐ میں عرض کردں
میری آنکھ کھل گئی اور میری زبان پر یہ شعر تھا ؎

با پرستاران شب دارم ستیز
باز روغن در چراغ من بریز"

اس شعر کے بارے میں فرمانے لگے کہ "اسے میں نے نہ عالم خواب میں کہا تھا نہ عالم بیداری میں۔ پھر فرمایا اگر کوئی کام نہ ہو تو کاغذ پنسل لے لو میں اپنی عرض داشت لکھوانا چاہتا ہوں"۔ اس وقت ان کی آواز پہلے سے زیادہ واضح اور طبیعت قدرے بہتر معلوم ہوتی تھی میں نے تعمیل حکم کی ان کی آنکھیں بند تھیں چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ سخت فکر میں ہیں پسینہ بار بار پونچھ رہے تھے۔ انھوں نے سرکار دو عالم حضورؐ انور کی خدمت میں عرض داشت لکھوانا شروع کی جو کہ ان کی کتاب "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" کے صفحہ ۶۹ سے ۷۱ تک درج ہے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اشعار نازل ہو رہے ہیں وہ بالکل آہستہ آہستہ بول رہے تھے درمیان میں دیر تک خاموش ہو جاتے اور گہری سوچ میں غرق ہو جاتے تھوڑی ہی دیر میں انھوں نے وہ شعر پھر پڑھا جو خواب سے بیدار ہونے پر ان کی زبان پر تھا اور بے اختیار رونے لگے حالت غیر ہوگئی فرمایا کہ کاغذ میرے سرہانے رکھ دو اور اب تم جاؤ۔ جب میں ان کے کمرے سے باہر نکل رہا تھا تو مجھے ان کا ایک شعر یاد آیا جو انھوں نے بہت پہلے شاید لڑکپن میں کہا تھا شعر یہ تھا ؎

شہید عشق نبیؐ ہوں مری لحد پہ شمع قمر جلے گی!
اٹھا کے لائیں گے خود فرشتے چراغ خورشید گھلا کر

ممنون حسن خاں صاحب نے یہ تفصیلات بیان فرمائیں تو میں نے دریافت کیا کہ ان کی نظم "درحضور رسالت مآبؐ" میں کل باسٹھ اشعار ہیں ان میں سے کتنے اشعار ۳ اور ۴ اپریل ۱۹۳۶ء کی درمیانی شب میں اور بعد میں بھوپال میں قیام کے دوران کہے گئے ہیں انھوں نے فرمایا کہ "بھوپال میں انھوں نے کل ۲۰ اشعار کہے تھے جو ان کی نظم "درحضور رسالت مآبؐ" کا ابتدائی حصہ ہیں اور موجودہ حالت میں "با پرستاران شب دارم ستیز باز روغن در چراغ من بریز" تک شامل ہیں۔ ہاں وہ موجودہ ترتیب اس وقت کی ترتیب سے مختلف ہے۔ جب اقبال بھوپال سے روانہ ہوئے تو ان کی طبیعت اور آواز بہتر ہو چلی تھی۔ سید نذیر نیازی اقبال سے لاہور میں ملے تو ان کی حالت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ

"۹ اپریل کو حضرت علامہ واپس لاہور تشریف لائے معلوم ہوتا تھا بھوپال کا قیام ان کی صحت کے لئے بہت اچھا رہا۔ آواز کی حالت بہتر ہو گئی تھی اور چہرے پر بھی تندرستی کے آثار نمایاں تھے۔" [۱]

اقبال نے اپنی تحریروں میں بھی ۳ اپریل ۱۹۳۶ء کے خواب کے نقوش چھوڑے ہیں۔ ۱۳ جون ۱۹۳۶ء کو لاہور سے پروفیسر صلاح الدین محمد الیاس برنی کو تحریر فرماتے ہیں۔

"۳ اپریل کو رات ۳ بجے کے قریب (میں اس وقت بھوپال میں تھا) میں نے سر سید علیہ الرحمۃ کو خواب میں

---

[۱] مکتوبات اقبال۔ سید نذیر نیازی ص ۳۲۹

نیز آپ پوچھتے ہیں کہ تم کب سے بیمار ہو ... حق
عرض کیا دو سال سے اوپر مدت گزر گئی۔ فرمایا حضور
رسالت مآب کی خدمت میں عرض کر دو۔ میری
آنکھ اس وقت کھل گئی اور اس عرض داشت کے
چند شعر جو اب طویل ہو گئی ہے میری زبان پر
جاری ہو گئے۔ انشاء اللہ ایک مثنوی نما ”پس چہ
باید کرد اے اقوام شرق“ نام کے ساتھ یہ عرض داشت
شائع ہو گی۔ ۳ اپریل کی صبح سے میری آواز میں کچھ
تبدیلی شروع ہوئی اب پہلے کی نسبت آواز صاف
ہے اور اس میں وہ رنگ ا ... (Timbre) بھی عود کر آیا
جو انسانی آواز کا خاصہ ہے گو اس ترقی کی رفتار
بہت سست ہے جسم میں بھی عام کمزوری ہے۔ زیادہ
کیا عرض کروں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

اقبال نے ۲۹ جولائی ۱۹۳۶ء کو راس مسعود کو تحریر فرمایا کہ:

۳ اپریل کی شب کو جب میں بھوپال میں تھا، میں نے تمہارے دادا رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا مجھ سے فرمایا کہ اپنی علالت کے متعلق حضور رسالت مآب کی خدمت میں عرض کرو۔ میں اسی وقت بیدار ہو گیا اور کچھ شعر عرض داشت کے طور پر فارسی زبان میں لکھے کل ہم شعر ہوئے۔ لاہور آ کر خیال ہوا کہ یہ چھوٹی سی نظم ہے اگر کسی زیادہ بڑی مثنوی کا آخری حصہ ہو جائے تو خوب ہو۔ الحمد للہ کہ یہ مثنوی اب ختم ہو گئی۔ مجھ کو اس

۱۔ اقبال نامہ (جلد اول) ص [illegible]

مثنوی کا گمان بھی نہ تھا۔ بہرحال اس کا نام ہوگا "پس چہ
باید کرد اے اقوام مشرق"۔ ضرب کلیم کی طباعت
کے بعد اس کی کتابت شروع ہوگی۔ (اقبال اور بھوپال ص ۲۲۵)

اقبال نے اپنی مثنوی "پس چہ باید کرد اے
اقوام مشرق میں" "در حضور رسالت مآب" کو درج ذیل
عبارت کے ساتھ شائع کیا ہے۔

"شب ۳ اپریل ۱۹۳۶ء کہ در دار الاقبال بودم
سید احمد خاں رحمۃ اللہ را در خواب دیدم فرمودند کہ از
علالت خویش در حضور رسالت مآب عرض کن"

اقبال کی درج بالا عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے
کہ ۳ اپریل ۱۹۳۶ء کی شب کو خواب دیکھنے کے بعد انھوں
نے اسی رات پوری نظم تخلیق کی تھی جبکہ حقیقتِ حال یہ ہے
کہ اس مختصر نظم کا آغاز اس شب ہوا تھا۔ ان کی صراحت
سے یہ بات بھی واضح نہیں ہوتی کہ انھوں نے اس شب کتنے
اشعار تخلیق کیے تھے۔ اقبالیات سے دلچسپی رکھنے والوں
کے لئے یہ ایک مسئلہ رہا۔ چنانچہ صہبا لکھنوی رقمطراز ہیں کہ

"اس عالم میں انھوں نے کتنے شعر لکھے اس کا اندازہ
اس خط سے نہیں ہوتا" (اقبال اور بھوپال ص ۱۲۶)

جناب ممنون حسن خاں کی نشاندہی سے
واضح ہو جاتا ہے کہ ۳ اپریل ۱۹۳۶ء کی شب اور بعد
میں بھوپال میں اقبال نے اپنی نظم کے کتنے اشعار تخلیق کیے
فقیر سید وحید الدین نے اپنی تصنیف "روزگار فقیر" میں
"بھوپال میں" کے عنوان کے تحت بہت سے واقعات درج کیے

لیکن ان میں اقبال کی نظم "در حضور رسالت مآب" کی شانِ نزول کے بارے میں کچھ نہیں لکھا جبکہ یہ ایک اہم واقعہ تھا اسی کتاب میں انھوں نے "پانچ سو اشعار" کے عنوان سے انارکلی کے دو منزلہ مکان میں اقبال کی رات کو آنکھ کھل جانے اور قلب پر شعر گوئی کی خاص کیفیت طاری ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اسی ذیل میں پروفیسر سید نواب علی مرحوم کے مقالے "پس چہ باید کرد" کے عنوان کے مقالے کا ذکر کیا ہے

ممنون حسن خاں صاحب نے بھوپال میں تخلیق کی گئی کسی دوسری نظم سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے میں نے انھیں صوفی خدا بخش (آستانہ بھون۔ ضلع جہلم) کے صہبا لکھنوی کے نام مکتوب کا درج ذیل اقتباس پڑھ کر سنایا۔

علامہ اقبال کی ایک نظم "سیر بھوپال" راس مسعود مرحوم کے پاس تھی جس میں تاج المساجد، موتی مسجد، جامع مسجد تالاب، شملہ پہاڑی، آستانہ قدسی اور آبشار بھد بھدا کے علاوہ بیرون شہر کے قدرتی مناظر کا نہایت دلچسپ اور پر وقار تذکرہ تھا۔ افسوس کہ باوجود سعی بلیغ وہ تاریخی نظم دستیاب نہ ہو سکی۔ (اقبال اور بھوپال از صہبا لکھنوی ص ۲۰۲)

ممنون حسن خاں صاحب نے اسے سن کر فرمایا کہ وہ بھوپال میں کہی اقبال کی اس نظم سے لاعلم ہیں اور یہ کہ عام طور سے علامہ اقبال اس قسم کی نظمیں کم کہا کرتے تھے۔ ریڈیو بھوپال کے پروگرام "اقبال اور شیش محل" میں جناب اختر سعید خاں نے بھوپال میں اقبال کی کہی تیرہ نظموں کے علاوہ ایک اور نظم ابن سینا؟ تلاش کی اس نظم کے بارے میں اختر سعید خاں

فرماتے ہیں کہ "ان تیرہ نظموں کے علاوہ ضربِ کلیم میں ایک نظم اور ہے جس کے بارے میں وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ نظم بھوپال کے دورانِ قیام کہی گئی اگرچہ اس پر نوٹ نہیں کہ یہ بھوپال میں کہی گئی تھی میری مراد علامہ اقبال کی نظم ابی سینیا سے ہے اس نظم کی تاریخ ضربِ کلیم میں ۱۸ اگست ۳۵ درج ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا علامہ تیسری بار ۱۰ جولائی ۳۵ کو بھوپال آئے تھے اور ۲۰ اگست ۳۵ کو واپس تشریف لے گئے اس لئے یہ بات قطعیت کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ نظم "ابی سینیا" انھوں نے بھوپال میں کہی ہے علاوہ ازیں اسی سلسلہ کی دوسری نظم "مسولینی" جس پر ضربِ کلیم میں ۲۲ اگست ۳۵ درج ہے گویا "ابی سینیا" اور "مسولینی" کی تخلیقات میں صرف تین دن کا فصل ہے۔ یہ دونوں نظمیں ذہنی تسلسل کا آئینہ دار ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "ابی سینیا" کے عنوان سے نظم کہنے کے بعد بھی علامہ کے ذہن میں ایک خلش تھی اور وہ اس موضوع پر مزید کچھ کہنا چاہتے تھے چنانچہ ۳ دن بعد "مسولینی" کے عنوان سے جو نظم کہی اس میں یورپ کی جارحانہ اور ظالمانہ روش پر بڑا تیکھا طنز کیا ہے۔ دونوں نظموں کو ایک ساتھ پڑھئے تو صاف نظر آتا ہے کہ نظم "ابی سینیا" میں علامہ نے اگر اطالیہ کے مطلق العنان نظام کو ہدفِ ملامت بنایا ہے تو دوسری نظم "مسولینی" میں یورپ کے دیوِ استبداد کی جمہوری قبا کا پردہ چاک کر دیا ہے معصومانِ یورپ سے مخاطب ہو کر مسولینی کا یہ کہنا کہ

پردۂ تہذیب میں غارتگری آدم کشی
کل روا رکھی تھی تم نے میں روا رکھتا ہوں آج

[illegible]

مطابق ہے۔ اقبال نے بڑے ڈرامائی انداز میں "ابی سینیا"
کے عنوان سے جو نظم ضربِ کلیم میں درج کی ہے اس کے داخلی
اور خارجی شواہد ثابت کرتے ہیں کہ یہ نظم شیش محل کے
زمانۂ قیام میں کہی گئی ہے اور اس طرح ایک اور نظم بھوپال
کے حصہ میں آجاتی ہے۔"

اقبال نے تخلیقات کے زمانۂ تخلیق کے اظہار
میں پابندی نہیں برتی کہیں تاریخ تخلیق یا دورِ تخلیق بیان
کر دی ہے کہیں زمانۂ تخلیق کے بارے میں سہو ہوا ہے
اور کہیں ادھوری معلومات فراہم کی ہیں کبھی زمانۂ تخلیق کو
حاشیہ میں درج کیا ہے اور کہیں عنوان کے بعد "ابی سینیا"
میں تاریخ تخلیق کا اندراج عنوان کے بعد ہے۔ لیکن شیش محل
بھوپال یا ریاض منزل بھوپال میں کی گئی تخلیقات اندراجات
کی طرح "ابی سینیا" میں اقبال نے تاریخ تخلیق کیا ہے
عمارت یا شہر کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں کی
پروفیسر آفاق احمد نے اختر سعید خاں کی تحقیق قبول کی
جبکہ جناب ممنون حسن خاں نے اس سلسلہ میں خاموشی
اختیار کی بعد میں ملاقات میں دریافت کرنے پر جناب
ممنون حسن خاں نے فرمایا کہ وہ اس نظم کے زمانۂ تخلیق
یا تخلیقی پس منظر سے ناواقف ہیں۔

بھوپال میں کہے اقبال کے کلام کے
بارے میں مزید تفصیلات حاصل نہیں ہوئیں۔ فقیر
سید وحید الدین نے نادرہ مسعود کی پیدائش پر اقبال
کے قطعہ کو بھی بھوپال کے قیام سے منسوب کیا ہے۔ قطعہ درج

اس مسعودِ جلیل القدر کو
کہ اصل و نسل و نجزود ہے
یادگارِ سیدِ والا گہر
نورِ چشمِ سید محمود ہے
راحتِ جان و جگر دختر علی
شکر جائے منّتِ معبود ہے
خانداں میں ایک لڑکی کا وجود
باعثِ برکاتِ لامحدود ہے
کس قدر برجستہ ہے تاریخ بھی
باسعادت دخترِ مسعود ہے ۲

اس قطعہ پر یکم مارچ ۱۹۳۷ء درج ہے فقیر سید وحید الدین صاحب کا ارشادِ گرامی ہے کہ یہ اشعار بھوپال کے زمانے میں قلمبند کئے گئے تھے حالانکہ نادرہ مسعود لاہور میں پیدا ہوئی تھیں اور اقبال اس زمانے میں یعنی یکم مارچ ۱۹۳۷ء کو بھوپال میں نہیں لاہور میں تھے صہبا لکھنوی نے بھی اس حقیقت کا اظہار کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ

"یکم مارچ ۱۹۳۷ء کو اقبال لاہور میں تھے لفظ بھوپال شاید اس مسودہ میں لکھا گیا ہوگا جو فقیر وحید الدین کی نظر سے گزرا ہوگا اس لئے سہواً کتاب میں بھی درج ہوگیا ہے"

بھوپال میں اقبال کے عقیدت مند اقبال حسین خاں بھی تھے جن کی غزل کے مطلع پر اقبال نے ۹ مئی ۱۹۳۱ء کی صبح ۸ بجے کے بعد اصلاح فرمائی تھی اور اصلاح شدہ مطلع میں اقبال کا بڑا حصہ تھا۔ مطلع یہ ہے۔

نگاہ ہے پردہ سوز میری، نقاب کیسا حجاب کیسا؟
تمہاری ان پردہ بندیوں کا، ملا ہے تم کو جواب کیسا؟

اقبال نے صرف بھوپال میں شاعری ہی نہیں کی اپنی شاعری سے بھوپال کو نوازتے رہے ہیں خاتون ارشد اپنے مضمون "شاعر ملت" میں تحریر فرماتی ہیں:-

جب جواب شکوہ، ابتداً اخبارات و رسائل میں شائع ہوا تو اس کا ایک بند یہ تھا۔

قیس منت کش تنہائی صحرا نہ رہے!
شہر کی کھائے ہوا بادیہ پیما نہ رہے!
وہ تو دیوانہ ہے جنگل میں رہے یا نہ رہے
یہ ضروری ہے حجاب رخ لیلیٰ نہ رہے
شوق تحریر مضامین میں کھلی جاتی ہے
بیٹھ کر پردہ میں بے پردہ ہوئی جاتی ہے

میں نے اس بند کے حوالہ سے ڈاکٹر صاحب کو مؤدبانہ خط لکھا کہ جناب والا "رخ لیلیٰ" کا بے حجاب ہونا یقیناً قابل اعتراض ہے۔ لیکن اس کا انشا پردازی میں حصہ لینا۔ مضمون نگاری کرنا بھی کیا آپ جائز نہیں سمجھتے اگر عورت کی تحریر مضامین کو آپ بے حجابی تصور کرتے ہیں (تو) عہد رسالت کی ان خواتین کے بارے میں کیا رائے ہے جن سے ائمہ کرامؒ نے حدیثوں کا درس حاصل کیا اور اسلام کی بہت سی مقدس مستورات ایسی گزری ہیں کہ جنہوں نے متعدد کتابیں لکھیں اس کے علاوہ دیکھیں) اور غلط یا صحیح استدلال پیش کرنے لگے۔ میرا خیال یہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب اس پر توجہ بھی نہ کریں گے۔ مگر ڈاکٹر صاحب نے نہایت ہی

اخلاق آمیز مختصر جواب بھیجا جس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے
اس بند کے آخری شعر کو تبدیل کر دیا ہے جو ڈاکٹر
صاحب کی اعلیٰ تہذیب اور انصاف پسندی کا ثبوت
ہے۔

چنانچہ جب ڈاکٹر صاحب کی نظمیں "بانگ درا"
کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوئیں تو اس میں
یہ آخری شعر نکال کر بجائے اس کے دوسرا شعر
درج کر دیا گیا تھا۔ اب مطبوعہ صورت میں کہیں بھی
وہ سابقہ شعر ؎

شوق تحریر ضمائر میں کھلی جاتی ہے
بیٹھ کر پردہ میں بے پردہ ہوئی جاتی ہے

موجود نہیں ہے

تبدیل شدہ شعر حسب ذیل ہے

گلۂ جور نہ ہو شکوۂ بیداد نہ ہو
عشق آزاد ہے کیوں حسن بھی آزاد نہ ہو

مولانا الطاف حسین حالی کی صد سالہ تقریبات
کے سلسلے میں نواب حمید اللہ خاں بھی پانی پت تشریف
لے گئے تھے اس موقع پر آپ نے جو اشعار پڑھے
تو وہ درج ذیل ہیں ؎

مزاج ناقہ را مانند عرفی خوب می بینم
چو محمل را گراں بینم حدی را تیز تر خوانم
حمید اللہ خاں اے ملک و ملت را فروغ از تو
ز الطاف تو موج لالہ خیزد از خیابانم

طوافِ مرقدِ عالی سزد ارباب معنی را
نوائے او بجانہا افگند شورے کہ من دانم
بیا تا فقر و شاہی در حضور او بہم سازیم
تو بر خاکش گہر افشاں و من برگ گل افشانم"۔ ۵؎

اقبال نے ضرب کلیم کا انتساب نواب حمید اللہ خاں کے نام نامی کیا تھا۔

"اعلیٰ حضرت نواب سر حمید اللہ خاں فرماں روائے بھوپال کی خدمت میں

زمانہ با امم ایشیا چہ کرد و کند
کسے نبود کہ ایں داستاں فرو خواند
تو صاحب نظری آنچہ در ضمیر من است
دل تو بیند و اندیشۂ تو می داند
بگیر ایں ہمہ سرمایۂ بہار از من
کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند" ۶؎

بھوپال میں ۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء کو راس مسعود کا انتقال ہو گیا۔ اقبال کو خبر ملی تو انھوں نے اپنے عزیز دوست کے سنگِ مزار کیلئے ایک رباعی ممنون حسن خاں کے نام روانہ کی جو حسب ذیل ہے :۔

"نہ پیوستم دریں بستان سرا دل
ز بند ایں و آں آزاد رفتم
چو باد صبح گردیدم دمے چند
گلاں را رنگ و آبے دادہ رفتم" ۷؎

اقبال نے ممنون حسن خاں کو تحریر کیا کہ :۔

اگر صرف ایک ہی مطلع انکے سنگ مزار پہ لکھنا ہو تو مندرجہ

ذیل شعر میرے خیال میں بہتر ہوگا ؎

اے برادر من ترا از زندگی دادم نشاں
خواب را مرگ سبک داں مرگ را خواب گراں

اقبال نے بھوپال میں اور بھوپال سے باہر رہ کر اپنی شاعری میں بھوپال اور اہل بھوپال کی خوبیوں کو نمایاں کیا ان کے جذبات و احساسات کی قدر کی، شیش محل کو آئینہ اور ریاض منزل کو فردوس بنا دیا جس پر بھوپال اور اہل بھوپال کو بجا طور پر فخر ہے جب تک اقبال کی شہرت باقی ہے اس وقت تک اہل بھوپال اور بھوپال کے در و دیوار کا نام ادب و احترام سے لیا جاتا رہے گا۔

ریاض منزل بھوپال میں دورانِ قیام کہی ہوئی نظمیں

قیام :- ۳۱ر جنوری ۱۹۳۵ء تا ۷ر مارچ ۱۹۳۵ء

سلطانی

تصوف

وحی

مقصود

حکومت

نگاہ

امید

شیش محل بھوپال میں دورانِ قیام کہی ہوئی نظمیں

قیام :- (۱) ۷ر جولائی ۱۹۳۵ء تا ۲۸ر اگست ۱۹۳۵ء

(۲) ۲ر مارچ ۱۹۳۶ء تا ۸ر اپریل ۱۹۳۶ء

صبح

مومن

امرائے عرب سے

ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزنداں کے نام

جمعیت اقوامِ مشرق

مسولینی

ابی سینیا

درحضور رسالت مآب

سلطانی

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روحِ قرآنی
خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی
یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سلطانی!
یہی مقام ہے مومن کی قوتوں کا عیار
اسی مقام سے آدم ہے ظلِّ سبحانی!
یہ جبر و قہر نہیں ہے یہ عشق و مستی ہے
کہ جبر و قہر سے ممکن نہیں جہانبانی
کیا گیا ہے غلامی میں مبتلا تجھ کو
کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی!
مثالِ ماہ چمکتا تھا جس کا داغِ سجود
خرید لی ہے فرنگی نے وہ مسلمانی!

ہوا حریفِ مہ و آفتاب تو جس سے
رہی نہ تیرے ستاروں میں وہ درخشانی!

تصوّف

یہ حکمتِ ملکوتی یہ علمِ لاہوتی !
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہ ذکرِ نیم شبی یہ مراقبے یہ سرور
تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہ عقل جو مہ و پرویں کا کھیلتی ہے شکار
شریکِ شورشِ پنہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

خرد نے کہہ بھی دیا لاالٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

عجب نہیں کہ پریشاں ہے گفتگو میری
فروغِ صبح پریشاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

وحی

عقلِ بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہو ظن و تخمیں تو زبوں کارِ حیات
فکر بے نور ترا، جذبِ عمل بے بنیاد!
سخت مشکل ہے کہ روشن ہو شبِ تارِ حیات
خوب و ناخوب عمل کی ہو گرہ وا کیونکر
گر حیات آپ نہ ہو شارحِ اسرارِ حیات

مقصود

(سپنوزا)

نظر حیات پہ رکھتا ہے مردِ دانشمند!
حیات کیا ہے؟ حضور و سرور و نور و وجود

(فلاطون)

نگاہ موت پہ رکھتا ہے مردِ دانشمند
حیات ہے شبِ تاریک میں شرر کی نمود

حیات و موت نہیں التفات کے لائق
فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مقصود

حکومت

ہے مریدوں کو تو حق بات گوارا لیکن
شیخ و مُلّا کو بُری لگتی ہے درویش کی بات
قوم کے ہاتھ سے جاتا ہے متاعِ کردار
بحث میں آتا ہے جب فلسفۂ ذات و صفات
گرچہ اس دیرِ کہن کا ہے یہ دستورِ قدیم
کہ نہیں میکدہ و ساقی و مینا کو ثبات!
قسمتِ بادہ مگر حق ہے اسی ملّت کا
انگبیں جس کے جوانوں کو ہے تلخابِ حیات!

نگاہ

بہار و قافلۂ لالہ ہائے صحرائی!
شباب و مستی و ذوق و سرور و رعنائی!
اندھیری رات میں یہ چشمکیں ستاروں کی
یہ بحر! یہ فلکِ نیلگوں کی پہنائی!
سفر عروسِ قمر کا عماریِ شب میں
طلوعِ مہر و سکوتِ سپہرِ مینائی!
نگاہ ہو تو بہائے نظارہ کچھ بھی نہیں
کہ بیچتی نہیں فطرت جمال و زیبائی!

امید

مقابلہ تو زمانے کا خوب کرتا ہوں
اگرچہ میں نہ سپاہی ہوں نے امیرِ جنود
مجھے خبر نہیں یہ شاعری ہے یا کچھ اور
عطا ہوا ہے مجھے ذکر و فکر و جذبِ سرود!
جبینِ بندۂ حق میں نمود ہے جس کی
اُسی جلال سے لبریز ہے ضمیرِ وجود!
یہ کافری تو نہیں کافری سے کم بھی نہیں
کہ مردِ حق ہو گرفتارِ حاضر و موجود!
غمیں نہ ہو کہ بہت دُور ہیں ابھی باقی
نئے ستاروں سے خالی نہیں سپہرِ کبود!

صبح

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

مومن

(دنیا میں)

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم!
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن!
افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش
خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن!
جچتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں
جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن

(جنت میں)

کہتے ہیں فرشتے کہ دل آویز ہے مومن
حوروں کو شکایت ہے کم آمیز ہے مومن

امرائے عرب سے

کرے یہ کافرِ ہندی بھی جرأتِ گفتار
اگر نہ ہو امرائے عرب کی بے ادبی
یہ نکتہ پہلے سکھایا گیا کس امت کو
وصال مصطفوی افتراق بولہبی
نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا
محمدِ عربی سے ہے عالمِ عربی

ابلیس کا فرمان

(اپنے سیاسی فرزندوں کے نام)

لا کر برہمنوں کو سیاست کے پیچ میں
زنّاریوں کو دیرِ کہن سے نکال دو
وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
رُوحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو!
فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیّلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو!

افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
مُلّا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو
اہلِ حرم سے ان کی روایات چھین لو
آہو کو مرغزارِ ختن سے نکال دو

اقبالؔ کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز
ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو

جمعیتِ اقوامِ مشرق

پانی بھی مسخّر ہے، ہوا بھی ہے مسخّر
کیا ہو جو نگاہِ فلکِ پیر بدل جائے!
دیکھا ہے ملوکیّتِ افرنگ نے جو خواب
ممکن ہے اس خواب کی تعبیر بدل جائے!
طہران ہو گر عالمِ مشرق کا جنیوا
شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے!

مسولینی

(اپنے مشرقی اور مغربی حریفوں سے)

کیا زمانے سے نرالا ہے مسولینی کا جرم ؟
بے محل بگڑا ہے معصومانِ یورپ کا مزاج
میں پھٹکتا ہوں تو چھلنی کو بُرا لگتا ہے کیوں
ہیں سبھی تہذیب کے اوزار، تو چھلنی میں چھاج
میرے سودائے ملوکیت کو ٹھکراتے ہو تم
تم نے کیا توڑے نہیں کمزور قوموں کے زجاج
یہ عجائب شعبدے کس کی ملوکیت کے ہیں!
راجدھانی ہے مگر راجہ ہے نہ راج!
آلِ سیزر چوبِ نے کی آبیاری میں رہے
اور تم دنیا کے بنجر بھی نہ چھوڑو بے خراج!
تم نے لوٹے بے نوا صحرا نشینوں کے خیام
تم نے لوٹی کشتِ دہقاں تم نے لوٹے تخت و تاج!

پردۂ تہذیب میں غارت گری، آدم کشی!!
کل روا رکھی تھی تم نے میں روا رکھتا ہوں آج

ابی سینیا

یورپ کے کرگسوں کو نہیں ہے ابھی خبر!
ہے کتنی زہرناک ابی سینیا کی لاش

ہونے کو ہے یہ مُردۂ دیرینہ قاش قاش

تہذیب کا کمال شرافت کا ہے زوال!
غارت گری جہاں میں ہے اقوام کی معاش

ہر گرگ کو ہے برّۂ معصوم کی تلاش

اے وائے آبروئے کلیسا کا آئنہ
روما نے کر دیا سرِ بازار پاش پاش

پیرِ کلیسا یہ حقیقت ہے دل خراش

۱۸؍ اگست ۱۹۳۵ء

در حضور رسالتمآب[۳]

شب سه اپریل ۱۹۳۶ء که در دار الاقبال بهوپال بودم سید احمد خان رحمة الله را در خواب دیدم فرمودند که از علالت خویش در حضور رسالتمآب عرض کن

ای تو ما بیچارگان را ساز و برگ — وا رهان این قوم را از ترس مرگ
سوختی لات و منات کهنه را — تازه کردی کائنات کهنه را
در جهان ذکر و فکر انس و جان — تو صلوٰت صبح، تو بانگ اذاں
لذت سوز و سرور از لا اله — در شب اندیشه نور از لا اله
نے خدا ها ساختیم از گاو و خر — نے حضور کاهنان افکنده سر
نے سجودے پیش معبودان پیر — نے طواف کوشک سلطان و میر
این همه از لطف بے پایان تست — فکر ما پروردهٔ احسان تست
ذکر تو سرمایهٔ ذوق و سرور — قوم را دارد به فقر اندر غیور
اے مقام و منزل هر راهرو — جذبهٔ تو اندر دل هر راهرو
ساز ما بے صوت گردید آنچنان — زخمه بر رگ هاے او آید گران
در عجم گردیدم و هم در عرب — مصطفیٰ نایاب و ارزان بولهب
این مسلمان زادهٔ روشن دماغ — ظلمت آباد ضمیرش بے چراغ
در جوانی نرم و نازک چون حریر — آرزو در سینهٔ او زود میر
این غلام ابن غلام ابن غلام — حریت اندیشهٔ او را حرام
مکتب از وے جذبهٔ دین در ربود — از وجودش این قدر دانم که بود
این ز خود بیگانه این مست فرنگ — نان جو می خواهد از دست فرنگ
نان خرید این فاقه کش با جان پاک — داد ما را ناله هاے سوزناک
دانه چین مانند مرغان سراست — از فضاے نیلگون ناآشناست
شیخ مکتب کم سواد و کم نظر — از مقام او نداد او را خبر

آتش افرنگیان بگداختش — یعنی این دوزخ دگرگون ساختش

مومن از رمز مرگ آگاه نیست — در دلش لا غالب الا الله نیست

تا دلِ او در میان سینه مُرد! — می نیندیشد مگر از خواب و خورد

بهر یک نان نشترِ لا و نعم — منتِ صد کس برای یک شکم

از فرنگی می خرد لات و منات — مومن و اندیشهٔ او سومنات

قم باذنی گوی و او را زنده کن — در دلش الله هو را زنده کن

ما همه افسونیِ تهذیب غرب — کشتهٔ افرنگیان بی حرب و ضرب

تو از آن قومی که جامِ او شکست — وان همه یک بندهٔ الله مست

تا مسلمان باز بیند خویش را
از جهانی برگزیند خویش را

شهسوارا یک نفس در کش عنان — حرفِ من آسان نیاید بر زبان

آرزو آید که ناید تا به لب! — می نگردد شوق محکومِ ادب!

آن بگوید لب گشا ای دردمند — این بگوید چشم بگشا لب ببند

گرد تو گردد حریمِ کائنات — از تو خواهم یک نگاهِ التفات

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی!! — کشتی و دریا و طوفانم توئی

آهوی زار و زبون و ناتوان! — کس به فتراکم نبست اندر جهان

ای پناهِ من حریمِ کوی تو
من به امیدی رمیدم سوی تو

آن نوا در سینه پروردن کجا — وز دمی صد غنچه وا کردن کجا

نغمهٔ من در گلوی من شکست — شعله از سینه ام بیرون نجست

در نفس سوزِ جگر باقی نماند — لطفِ قرآنِ سحر باقی نماند

ناله کو می نگنجد در ضمیر — تا کجا در سینه ام ماند اسیر

یک فضای بیکران می بایدش
وسعتِ نه آسمان می بایدش

آہ زاں دردے کہ در جان و تن است
گوشہ چشمِ تو داروے من است

در نسازد با دوا ہا جانِ زار !
تلخ و بویش بر مشامم ناگوار !!

کار ایں بیمار نتواں برد پیش
من چوں طفلاں نالم از داروے خویش

تلخیِ او را فریبم از شکر ہا
خندہ ہا بر لب بدوزد چارہ گر ہا

چوں بصیری از تو می خواہم کشود !
تا بمن باز آید آں روزے کہ بود

مہرِ تو بر عاصیاں افزوں تر است
در خطا بخشی چو مہرِ مادر است !

با پرستاران شب دارم ستیز
باز روغن در چراغِ من بریز ہا

اقبال کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ خطوط

علامہ اقبال کے خطوط کے بہت سے مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ خطوط کے ان مجموعوں میں "اقبال" مرتبہ ڈاکٹر محی الدین قادری زور (۱۹۴۲ء) "اقبال کے خطوط جناح کے نام" (انگریزی، ۱۹۴۲ء) "اقبال نامہ" مرتبہ شیخ عطاء اللہ (حصہ اوّل) ۱۹۴۵ء حصہ دوم (۱۹۵۱ء) "مکاتیب اقبال بنام محمد نیاز الدین خاں مرحوم" مرتبہ بزم اقبال (۱۹۵۴ء) "مکتوبات اقبال بنام نذیر نیازی" مرتبہ نذیر نیازی (۱۹۵۷ء) "مکاتیب اقبال بنام بیگم گرامی" از حمید اللہ ہاشمی، "مکاتیب اقبال بنام گرامی" مرتبہ محمد عبداللہ قریشی (۱۹۶۹ء) "اقبال اور عبدالحق" مرتبہ ڈاکٹر ممتاز حسن (۱۹۷۳ء) "خطوط اقبال بنام عطیہ فیضی" (ترجمہ منظر عباس نقوی) (۱۹۷۴ء) "اقبال کے خطوط جناح کے نام" ترجمہ عبدالرحمٰن سعید (۱۹۷۴ء) "اقبال کے خطوط جناح کے نام" ترجمہ عبدالرحمٰن سعید "خطوط اقبال" مرتبہ پروفیسر رفیع الدین ہاشمی، (۱۹۷۶ء) ہندوستانی ایڈیشن (۱۹۷۷ء) "لیٹرز آف اقبال" انگریزی مرتبہ بشیر احمد ڈار (۱۹۷۸ء) اور "اقبال نامے" مرتبہ ڈاکٹر اخلاق اثر (۱۹۸۱ء) قابل ذکر ہیں۔ اقبال نامے میں اکہتر خطوط شامل ہیں۔ یہ خطوط یا تو بھوپال میں دوران قیام لکھے گئے تھے یا لاہور سے بھوپال میں موجود دوستوں اور نیاز مندوں کو تحریر کیے گئے تھے۔ ان خطوط اور مکتوب الیہم کی تفصیلات درج ذیل ہیں۔

۱۔	محمد امین زبیری	۲۹ر اپریل	۱۹۱۷ء	اردو
۲۔	شاہ اسد الرحمٰن قدسی	۲۴ر ستمبر	۱۹۲۰ء	اردو

۳۔ محمد شعیب قریشی	۱۱؍جون	۱۹۳۰ء	انگریزی
۴۔ سید نذیر نیازی	۵؍فروری	۱۹۳۵ء	اردو
	۹؍فروری	۱۹۳۵ء	اردو
	۱۱؍فروری	۱۹۳۵ء	اردو
	۱۱؍فروری	۱۹۳۵ء	اردو
	۱۳؍فروری	۱۹۳۵ء	اردو
	۲۷؍فروری	۱۹۳۵ء	اردو
	۴؍مارچ	۱۹۳۵ء	اردو
	یکم اگست	۱۹۳۵ء	اردو
	۶؍اگست	۱۹۳۵ء	اردو
	۱۰؍اگست	۱۹۳۵ء	اردو
	۲۱؍اگست	۱۹۳۵ء	اردو
	۲۱؍اگست	۱۹۳۵ء	اردو
	۲؍مارچ	۱۹۳۶ء	اردو
	۸؍مارچ	۱۹۳۶ء	اردو
	۳۱؍مارچ	۱۹۳۶ء	اردو
۵۔ عباس علی خاں لمعہ	۲۰؍فروری	۱۹۳۵ء	اردو
۶۔ سید سر راس مسعود	۲۰؍مارچ	۱۹۳۵ء	انگریزی
	۲۹؍مارچ	۱۹۳۵ء	اردو
	۱۴؍اپریل	۱۹۳۵ء	انگریزی
	۲۶؍اپریل	۱۹۳۵ء	انگریزی
	۲؍مئی	۱۹۳۵ء	انگریزی
	۱۲؍مئی	۱۹۳۵ء	انگریزی
	۱۳؍مئی	۱۹۳۵ء	انگریزی

۲۳ر مئی	۱۹۲۵ء	انگریزی	
۳۰ر مئی	۱۹۲۵ء	انگریزی	
۳۰ر مئی	۱۹۲۵ء	انگریزی	
۱۵ر جون	۱۹۲۵ء	اردو	
۲۴ر جون	۱۹۲۵ء	اردو	
۲ر جولائی	۱۹۲۵ء	اردو	
۱۸ر ستمبر	۱۹۲۵ء	اردو	
۲ر اکتوبر	۱۹۲۵ء	اردو	
۱۰ر دسمبر	۱۹۲۵ء	اردو	
۱۱ر دسمبر	۱۹۲۵ء	اردو	
۱۰ر مارچ	۱۹۲۶ء	اردو	
۲ر مئی	۱۹۲۶ء	اردو	
۲۹ر جون	۱۹۲۶ء	اردو	
یکم اگست	۱۹۲۶ء	اردو	
۲۷ر اگست	۱۹۲۶ء	اردو	
۱۵ر جنوری	۱۹۲۷ء	اردو	
۱۹ر اپریل	۱۹۲۷ء	اردو	
۳ر جون	۱۹۲۷ء	اردو	
۸ر جون	۱۹۲۷ء	اردو	
۱۰ر جون	۱۹۲۷ء	اردو	
۱۹ر جولائی	۱۹۲۵ء	اردو	۔ سید سلیمان ندوی
یکم اگست	۱۹۲۵ء	اردو	
۲۰ر اگست	۱۹۲۵ء	اردو	
۲۲ر اگست	۱۹۲۵ء	اردو	

۸۔ خواجہ ایف ایم شجاع	۵ر اگست	۱۹۳۵ء	اردو
۹۔ ڈاکٹر سید عبدالباسط	۲ر اکتوبر	۱۹۳۵ء	اردو
	۱۸ر اکتوبر	۱۹۳۵ء	اردو
	۷ر دسمبر	۱۹۳۵ء	اردو
	۱۳ر دسمبر	۱۹۳۵ء	اردو
	۸ر فروری	۱۹۳۶ء	اردو
۱۰۔ امۃ المسعود	۲۵ر فروری	۱۹۳۶ء	اردو
	یکم اگست	۱۹۳۷ء	اردو
	۲۸ر اگست	۱۹۳۷ء	اردو
۱۱۔ قاضی تلمذ حسین	۸ر مارچ	۱۹۳۶ء	اردو
۱۲۔ سلامت اللہ شاہ	۲۸ر مارچ	۱۹۳۶ء	اردو
۱۳۔ ممنون حسن خاں	۱۶ر جولائی	۱۹۳۷ء	اردو
	۲۱ر جولائی	۱۹۳۷ء	اردو
	۳۱ر جولائی	۱۹۳۷ء	اردو
	۲ر اگست	۱۹۳۷ء	اردو
	۷ر اگست	۱۹۳۷ء	اردو
	۲۲ر اگست	۱۹۳۷ء	اردو
	۴ر ستمبر	۱۹۳۷ء	اردو
	۲۵ر ستمبر	۱۹۳۷ء	اردو
	۲ر اکتوبر	۱۹۳۷ء	اردو
	۱۹ر اپریل	۱۹۳۸ء	اردو

"اقبال نامے" میں سر راس مسعود اور محمد شعیب قریشی کے نام کئی غیر مطبوعہ و نیم مطبوعہ خطوط اور مکتوب الیہم کے بارے میں بہت سی نئی تفصیلات درج تھیں اس لئے ادبی حلقوں میں اس مجموعہ کو توجہ سے دیکھا گیا۔ جناب ممنون حسن خاں نے

مختلف مشاہیر کو "اقبال نامے" روانہ فرمائی تھی انکے نام آئے خطوط کے اقتباسات ملاحظہ فرمایئے:۔

جسٹس جاوید اقبال جو حیات اقبال پر دو گرانمایہ کتابیں تحریر فرما چکے ہیں۔ اقبال نامے کے بارے میں ممنون حسن خاں صاحب کے نام، ۲/مارچ ۱۹۸۲ء کے مکتوب میں اظہار خیال فرماتے ہیں۔

"میں نے اقبال نامے پڑھ لی ہے۔ اخلاق اثر صاحب نے بڑی محنت اور کاوش سے اس مجموعہ کو ترتیب دیا ہے۔ کئی خطوط غیر مطبوعہ تھے جو اب اس مجموعہ میں آ گئے۔ ساتھ ہی انہوں نے تعارف میں جو تفصیل لکھی ہے۔ وہ بے حد مفید ہے اور تحقیقی اور تنقیدی مطالعہ بھی دلچسپ ہے۔ میری طرف سے ان کا شکریہ ادا کیجئے گا اور اتنی عمدہ کتاب ترتیب دینے پر مبارکباد بھی دیجئے گا۔"

پروفیسر آل احمد سرور، ڈائریکٹر، اقبال انسٹی ٹیوٹ، کشمیر یونیورسٹی سرینگر نے ۶/جولائی ۱۹۸۲ء کو اپنے تاثرات تحریر فرمائے:۔

"اقبال نامے" دیکھ ڈالی۔۔۔۔ کتاب پر تبصرہ تو علٰحدہ کروں گا مگر اس میں شک نہیں اخلاق اثر صاحب نے بہت محنت کی ہے غیر مطبوعہ خطوط کم سہی مگر مطبوعہ خطوط کے متن کی صحت اور مفید حواشی کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ کرتے ہیں۔"

پروفیسر خواجہ احمد فاروقی جو علامہ اقبال کے خطوط پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ انھوں نے ۳۰/جولائی ۱۹۸۲ء کے مکتوب میں مجھے اپنی رائے روانہ فرمائی:۔

" آپ نے بڑی خدمت انجام دی کہ اقبال کے بھوپال سے متعلق مطبوعہ اور غیر مطبوعہ انگریزی اور اردو خطوط یکجا کر دیا۔ اقبال ہمارے عظیم المرتبت شاعروں میں سے ایک ہیں اور ان کی ہر تحریر آنکھوں سے لگانے کے قابل ہے۔ میں آپ کو ایک اچھا کام انجام دینے پر مبارکباد پیش کرتا ہوں"

جناب سید مظفر حسین برنی، گورنر امفال انگریزی میں علامہ اقبال کی سوانح حیات تحریر فرما رہے ہیں۔ انہوں نے اس مجموعہ پر تفصیل سے اظہار خیال فرمایا:۔

ڈاکٹر اخلاق اثر نے "اقبال نامے" میں علامہ اقبال کے بھوپال سے متعلق ا، غیر مطبوعہ و مطبوعہ مکاتیب جمع کر کے اقبالیات میں گرانقدر اضافہ کیا ہے۔ یہ مکاتیب کا گیارہواں مجموعہ ہے۔ اور اس کی افادیت خود فاضل مرتب نے اپنے دیباچہ میں واضح کر دی ہے۔ ان مکاتیب سے (بالخصوص غیر مطبوعہ مکاتیب سے) علامہ کی ہمہ جہت شخصیت اور سیرت و کردار کے نئے گوشوں پر روشنی پڑتی ہے۔ خود علامہ نے فرمایا ہے "شاعر کے لٹریری اور پرائیویٹ خطوط سے اسکے کلام پر روشنی پڑتی ہے اور اعلیٰ درجہ کے شعرا کے خطوط شائع کرنا لٹریری اعتبار سے مفید ہے۔"

اب یہ امر مسلم ہو چکا ہے کہ علامہ اقبال کا نثری ذخیرہ ان کے شعری مجموعوں سے کم نہیں۔ اس میں ان کے مکتوبات کا ایک اہم مقام ہے۔ اب تک انکے کم و بیش گیارہ بارہ سو خطوط منظر عام پر آچکے ہیں اور غیر مطبوعہ خطوط کی تلاش ہنوز جاری ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اردو اور فارسی کے اس عظیم شاعر، مفکر، سیاسی مدبر، مصلح قوم اور بزم یاران کے دلدادہ نے اتنا وقت کیسے نکالا کہ اپنی ادبی و علمی، سیاسی اور سوشل مصروفیتوں کے باوجود بلا مبالغہ ہزاروں خطوط لکھ ڈالے۔ ممتاز حسن صاحب مرحوم کا کہنا ہے کہ "مجھے کسی ایسے شخص کا علم نہیں جس نے اقبال کو خط لکھا ہو مگر جواب سے محروم رہا ہو۔"

ڈاکٹر اخلاق اثر صاحب بڑے خوش قسمت ہیں کہ انھیں جناب قبلہ و کعبہ ممنون حسن خاں صاحب کی ہدایت و رہنمائی حاصل ہوئی یہ اب ان معدودے چند حضرات میں سے ہیں جنہیں علامہ کو قریب سے دیکھنے اور ان کے ساتھ کام کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ مجھے خوشی ہیکہ ڈاکٹر صاحب "اقبال اور ممنون" کے عنوان سے ایک کتاب لکھ رہے ہیں۔

جو یقیناً انکی تحقیق و تدقیق کی بنا پر ارباب ذوق سے خراج تحسین وصول کرےگی اور اقبالیات میں ایک بیش بہا اضافہ ثابت ہوگا۔ میری دعا ہے کہ ۔ ؎
اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ!

"خطوط اقبال" کے مرتب اور اقبالیات کے قابل اعتماد نقاد رفیع الدین ہاشمی نے اپنے مکتوب مورخہ ۲۶ستمبر ۱۹۸۲ء کے مکتوب میں راقم الحروف کو تحریر فرمایا۔

"نئے خطوط کی دریافت ہر اعتبار سے لائق تحسین ہے۔ اسی طرح بعض ادھورے اور نامکمل خطوط کی، مکمل صورت میں بازیافت بھی آپکا کارنامہ ہے۔۔۔۔
بہر حال مجموعی اعتبار سے "اقبال نامے" ایک مفید کاوش ہے۔ مبارکباد!"

بھوپال کے صاحب طرز ادیب اور منفرد شاعر جناب مقصود عرفان نے "اقبال نامے" کا تجزیہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔

"اقبال نامے میں ایسے خطوط بھی شامل ہیں جو غیر مطبوعہ ہیں اور پہلی بار منظر عام پر آئے ہیں۔ ان غیر مطبوعہ خطوط کے مکتوب الیہم محمد شعیب قریشی اور سر سید راس مسعود ہیں اور یہ خط علامہ اقبال کے ایک عقیدت مند جناب ممنون حسن خاں صاحب سے حاصل ہوئے ہیں جو علامہ اقبال کے بقید حیات مکتوب الیہم میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ ان غیر مطبوعہ خطوط کے مطالعہ سے علامہ کی شخصیت کے محض ایسے گوشے اجاگر ہوتے ہیں جو اب تک واضح نہیں تھے۔ ان غیر مطبوعہ خطوط کے علاوہ بقیہ خطوط مطبوعہ ہیں جو دوسرے مجموعوں میں شامل ہیں لیکن ان مطبوعہ خطوط میں سے بعض کا مستند معیاری اور مکمل متن "اقبال نامے" میں پہلی بار شائع ہوا ہے اسی طرح بیگم صاحبہ بھوپال کو "ضرب کلیم" اور "بال جبریل" اور نواب زادہ رشید الظفر خاں کو مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" پیش کردہ نسخوں پر درج علامہ اقبال کی تحریریں پہلی بار مجموعہ مکاتیب میں شامل کی گئی ہیں۔۔۔ اقبال نامے میں مکاتیب اقبال کے علاوہ مرتب کا دیباچہ اور تحقیقی و تنقیدی مطالعہ کے عنوان سے

ایک مضمون بھی شامل ہے جس میں مرتب نے تحقیق کا پورا حق ادا کیا ہے اور ساتھ ہی اقبال کے مکتوب الیہم کی شخصیات کے پہلو روشن کر دیئے ہیں۔ یقین ہے کہ "اقبال نامے" اپنی چند مذکورہ خصوصیات کی بنا پر اقبالیات میں ایک بیش قیمت اضافہ ثابت ہوگا (اقبالیات میں اضافہ۔ مقصود عرفان، آفتاب جدید بھوپال، ۲۱ مارچ ۱۹۸۲ء)

فضل حق قریشی نے "اقبال کا فکر و فن" کے عنوان سے ڈاکٹر تاثیر کے مضامین کا مجموعہ منیب پبلیکیشنز لاہور سے ۱۹۷۷ء میں شائع کیا۔ اس میں علامہ اقبال کا ایک مکتوب "انوار اقبال" مرتبہ بشیر احمد ڈار (اقبال اکادمی کراچی، ۱۹۶۷ء) سے نقل کیا گیا ہے جو بھوپال شیش محل سے ۲۲ جولائی ۱۹۳۰ء کو ڈاکٹر تاثیر کو لکھا گیا تھا اور جس میں علامہ نے جاوید کے لیے بھیجے گئے الف لیلہ کے نسخہ کی رسید روانہ کی تھی اور بھوپال میں بغرض علاج مقیم ہونے کی خبر دی تھی۔

اس مکتوب کی صحیح تاریخ ۲۲ جولائی ۱۹۳۵ء ہے۔

۲۲ جولائی ۱۹۳۰ء نہیں۔ علامہ ۳۵ء میں بغرض علاج بھوپال میں مقیم تھے۔ بہر حال اس خط کی اشاعت سے بھوپال سے تعلق رکھنے والے علامہ کے خطوط کی تعداد بہتر ہو جاتی ہے۔ علامہ اقبال کے بھوپال سے متعلق دوسرے خطوط کے اشارے مختلف مکاتیب اور تحریروں میں موجود ہیں اور ان کی تلاش جاری ہے۔

بھوپال میں اقبال کے چند نیاز مند

بھوپال میں علامہ اقبال کے نیاز مندوں اور عقیدت مندوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کی اپنی اپنی صفات ہیں۔ اقبال کے ان نیاز مندوں میں سے صرف چھ حضرات کی ذمہ داریوں، عہدوں اور حیات کے بارے میں مختصر تفصیلات ان لوگوں کے لئے دلچسپی سے خالی نہیں جو اقبالیات پر بطور خاص نظر رکھتے ہیں۔

جناب ممنون حسن خاں اقبال کے خاص مکتوب الیہ ہیں ان کے نام اقبال کے دس مکاتیب ہیں جن میں سے ایک اقبال کا آخری مکتوب ہے۔ ممنون حسن خاں کے والد کا نام مولوی اصغر خاں، والدہ کا نام لطیف النساء بیگم تھا۔ مشہور انقلابی اشفاق اللہ ان کے عزیز تھے۔ ممنون صاحب ریاست بھوپال میں اہم عہدوں پر فائز رہے پورے دورِ حمیدی کو دیکھا۔ مشہور شخصیتوں کے ساتھ سرکاری فرائض انجام دیئے۔ انھوں نے مشہور ماہر اقتصادیات پروفیسر کے۔ ٹی۔ شاہ اور مشہور عالم ماہر مالیات جناب غلام محمد کے ساتھ بطور اسپیشل اسٹنٹ کام کیا۔ ان دونوں نامور حضرات کو نواب بھوپال نے ریاست کے اقتصادی جائزے کے لئے مدعو کیا تھا۔ سر راس مسعود کی بھوپال تشریف آوری کے بعد ممنون صاحب موصوف کے معتمد مقرر کیے گئے۔ اس دوران جب بھی اقبال بھوپال تشریف لائے، ممنون صاحب نے ان کی خدمت بطور سکریٹری انجام دی۔ راس مسعود کے انتقال کے بعد محمد شعیب قریشی کے معتمد مقرر ہوئے۔ ممنون صاحب انڈر سکریٹری، سول ڈیفنس کنٹرولر، فوڈ کنٹرولر، ٹیکسٹائل کمشنر، لائبریرین حمیدیہ لائبریری، ڈائرکٹر آثار قدیمہ، سکریٹری پبلک سروس کمیشن، ڈائرکٹر انڈسٹریز اور ٹیر کمشنر جیسے مقرر عہدوں پر فائز رہے۔ جب معتز مشہور عالم ماہر قانون سر ظفر اللہ خاں کو نواب بھوپال نے اہم آئینی کاموں کیلئے مدعو کیا تھا تو ممنون صاحب کو ان کے ساتھ اسپیشل آفیسر مقرر کیا گیا تھا۔ ممنون صاحب کی خدمات کے اعتراف میں نواب حمید اللہ خاں نے ان کو "بہادر" کے خطاب سے نوازا تھا۔

حاجی حافظ سید علی حسین صاحب بھی اقبال کے خاص نیاز مندوں میں

شامل ہیں۔ اقبال ۳۱ جنوری ۱۹۳۵ء کو بھوپال تشریف لاکر ریاض منزل میں سر راس مسعود کے مہمان ہوئے۔ جمعہ کے دن کی ادبی محفل میں شریک ہوئے۔ اس وقت وہ سفید پنجابی قمیض و شلوار میں ملبوس تھے۔ بیمار ہونے کی وجہ سے زیادہ تر خاموش رہے۔ حقہ بھی نہ پیا اور نصف گھنٹہ کے بعد گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ سید علی حسین صاحب نے اقبال کو پہلی بار یہیں دیکھا۔

علامہ اقبال آخری بار (۲ مارچ ۱۹۳۶ء تا ۸ اپریل ۱۹۳۶ء) بھوپال تشریف لائے اور شیش محل میں مقیم ہوئے تو جاوید اقبال بھی ان کے ساتھ تھے۔ راس مسعود کی خواہش پر علی حسین صاحب نے جاوید اقبال کو ریاضی اور انگریزی پڑھانا شروع کی علی حسین صاحب کبھی آٹھ بجے صبح اور کبھی شام چار بجے جاوید اقبال کو پڑھانے جاتے تھے۔ صبح کے وقت اقبال سے ملاقات نہ ہوتی تھی۔ جب شام کو پڑھانے جاتے تو کبھی علی بخش اندر اطلاع دیتا تو اقبال کی آواز سنائی دیتی "جاؤ جاوید تمہارے ماسٹر صاحب آگئے ہیں"۔ جاوید اقبال شیش محل کے سامنے والے کمرہ میں پڑھا کرتے تھے۔ اس کمرہ کے سامنے اقبال کی بیٹھک تھی جہاں وہ ادیبوں اور شاعروں سے ملاقات کیا کرتے تھے۔ حسین صاحب کو یہ یقین سے یاد ہے کہ اس وقت یہ گفتگو نہیں ہوتی تھی کہ اقبال کے اشعار میں قرآن کریم یا حدیث نبوی کا مفہوم ہے یا اس پر شعر لکھا گیا ہے۔ تمام لوگوں کا یہ خیال ضرور تھا کہ جسطرح علامہ کو دوسرے موضوعات پر عبور حاصل ہے اسی طرح وہ قرآن کریم کے ماہر بھی ہیں۔ اقبال کبھی یہ دیکھنے نہیں آتے کہ جاوید کیا اور کسطرح پڑھ رہے ہیں۔ نہ انھوں نے کبھی اس سلسلہ میں علی حسین صاحب سے گفتگو کی۔

ایکبار علامہ اقبال نے سید علی حسین صاحب سے یہ ضرور دریافت کیا تھا کہ کب اور کس سے حفظ قرآن کیا۔ اور کہا کہ ترجمہ بھی آتا ہے۔ کئی بار علی بخش آتا کہ فلاں مفہوم کی آیت پر نشان (کاغذ) لگا دیجیے۔ ایک بار سورۃ بقرہ کی آیت پر نشان لگوایا تھا کبھی یہ دریافت فرماتے کہ اس شعر میں کس آیت یا حدیث کا مفہوم ہے۔ علی حسین صاحب کو علی بخش سے معلوم ہوا تھا کہ اقبال کسی آیت کی تفسیر لکھ رہے تھے۔ کسی حدیث کے حوالہ کے لیے اقبال نے کلکتہ سے "اسٹار آف انڈیا" منگوایا تھا۔ علامہ گئی رات تک مصروف

علی بخش سے معلوم ہوا تھا کہ اقبال کسی آیت کی تفسیر لکھ رہے تھے کسی حدیث کے حوالہ کیلئے اقبال نے کلکتہ سے "اسٹار آف انڈیا" منگوایا تھا۔ علامہ گئی رات تک مصروف مطالعہ رہتے اشعار لکھتے اس وقت وہ "ذہنی معراج" پر ہوتے تھے اور کلام پاک نہیں چھوتے تھے۔ نشانات کی مدد سے کسی طرح قرآن کریم کھول لیا کرتے تھے جیسا تاخیر سے سوتے تھے تو تاخیر سے اٹھتے بھی تھے۔

علی حسین صاحب نے تقریباً ایک مہینہ جاوید کو پڑھایا تھا۔ ایک دن علی بخش نے ایک لفافہ لاکر دیا جسمیں تین سو روپے رکھے ہوئے تھے۔ کئی دن بعد جاوید اقبال ایک کتاب لائے اور عرض کیا کہ اس پر آپ دستخط کر دیجئے اس کا ثبوت جاوید اقبال کے مکتوب بنام علی حسین صاحب مورخہ ۷ اکتوبر ۱۹۸۹ء کے اقتباس سے ملتا ہے۔

"آپ کا خط مل گیا اور کتاب کا مسودہ بھی موصول ہو گیا یاد آوری کا بیحد ممنون ہوں۔ مجھے آپ سے پڑھنا خوب یاد ہے بلکہ آپ کا آٹوگراف بھی اب تک میرے پاس محفوظ ہے جناب ممنون حسن خانصاحب بھی یاد ہیں آپ کا خط دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی اور پرانے وقت نگاہوں کے سامنے پھر گئے۔"

سید علی حسین صاحب نے اور بہت سے واقعات سنائے مگر ان کے اظہار سے منع فرما دیا وہ اقبال سے زیادہ سر راس مسعود کے قریب تھے علی حسین صاحب یکم دسمبر ۱۹۱۰ء (سرٹیفکیٹ کے مطابق یکم دسمبر ۱۹۱۱ء) کو پیدا ہوئے ان کے والد سید عابد حسین مرحوم کا خاندان بلگرام ضلع ہردوئی سے تعلق رکھتا ہے حافظ صفدر حسین نے علی حسین صاحب کو حفظ قرآن کرایا تھا۔ علی حسین صاحب نے ابتدائی تعلیم الیگزینڈرا جہانگیریہ اسکول میں حاصل کر کے ۱۹۲۸ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ سلطان جہاں بیگم نے اعلیٰ تعلیم کیلئے وظیفہ مقرر کیا تو علی گڑھ میں یونیورسٹی سے انٹر سائنس کے بعد بی اے پاس کیا۔ علی گڑھ میں حافظ اور سینئر پریپر ماسٹر ہونے کی وجہ سے ان کو دس روپے ڈیوٹی لون اور دس روپے دالس چانسلر کے فنڈ سے ملے

وظیفہ ملتا تھا جو سر راس مسعود کے زمانے تک ملتا رہا۔

علی حسین صاحب جس زمانے میں انٹرسائنس میں تھے اس وقت اندور کے جسٹس رشید کی صاحبزادی امۃ الرشید تجربہ گاہ میں اپنی تحقیق میں معروف رہتی تھیں اور علی حسین صاحب سے واقف تھیں۔ علی حسین صاحب تعلیم ختم کرنے کے بعد بھوپال میں ٹیوشن کرنے لگے۔ ۱۹۳۳ء میں ان کا تقرر کیمبرج اسکول میں ہوگیا۔ سر راس مسعود نے زہرہ بیگم کو طلاق دینے کے بعد امۃ الرشید سے شادی کرلی۔ جب دونوں بھوپال آگئے تو علی حسین صاحب نے ان سے ملاقات کی۔ بیگم اور سر راس مسعود علی حسین صاحب پر اعتماد کرتے تھے اور علی حسین برابر ملاقاتیں کرتے رہتے تھے۔

علی حسین صاحب مئی ۱۹۳۵ء میں نائب تحصیلدار مقرر ہوئے تعلقات کی وجہ سے تقرر کے بعد بھی ٹیوشن کرتے رہے۔ سپرنٹنڈنٹ اور نائب تحصیلدار کا ایک ہی پے اسکیل تھا اس لئے کبھی نائب تحصیلدار اور کبھی سپرنٹنڈنٹ کی حیثیت سے شاہ گنج، آشٹہ، بیرسیہ، نظیرآباد، عبید اللہ گنج، رائسین، بریلی اور سیہور میں فرائض انجام دیتے رہے۔ یکم جون ۱۹۶۰ء کو اسسٹنٹ سیٹلمنٹ آفیسر کے عہدہ پر فائز ہوئے، گنا اور شیوپوری میں خدمات انجام دیں اور مندسور میں اسی عہدہ پر سے ریٹائر ہوگئے۔

اقبال حسین خاں مرحوم بھی اقبال کے نیازمندوں میں شامل تھے۔ علامہ اقبال سے ملاقات کا شرف پہلی بار انھیں ۹ مئی ۱۹۳۱ء کو حاصل ہوا۔ اسٹیشن پر انھوں نے علامہ کا استقبال کیا اور انھیں ساتھ لیکر سلطانیہ روڈ، تاج محل اور تاج المساجد، رائل مارکیٹ اور بیرا گڑھ جانے والی سڑک سے ہوتے ہوئے احمد آباد محل کے "قصر راحت" میں پہونچے جہاں علامہ اقبال کے قیام کا انتظام کیا گیا تھا۔ اسی مقام پر اقبال حسین خاں نے علامہ کو اپنی دو غزلیں سنائیں۔

اقبال حسین خاں نے کشمیر اور بھوپال کی آبادی اور اس کے بارے میں اقبال کے خیالات ضرور بتلائے تھے مگر یہ معلوم نہ ہوسکا تھا کہ اس کا پس منظر کیا تھا انھوں نے

۱۹۳۱ء میں اقبال کے بھوپال دوبارہ آنے کا ذکر کیا تھا۔ پہلی تاریخ تو ۹ رمئی تھی، دوسری تاریخ کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اقبال حسین خاں نواب حمید اللہ خاں کے اے ڈی سی یا ندیم خاص ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۲ء تک رہے اسلئے ۱۹۳۱ء میں اقبال کے دوسرے بار بھوپال آنے کی تاریخ کی تلاش اسی عرصہ میں کی جا سکتی ہے۔

اقبال حسین خاں کی ولادت یکم اکتوبر ۱۹۰۱ء کو امیر گنج میں ہوئی ابتدائی تعلیم اپنے والد عباس حسین خاں سے حاصل کی الیکزینڈرا ہائی اسکول سے ۱۹۲۰ء میں میٹرک میور کالج الہ آباد یونیورسٹی سے ۱۹۲۲ء انٹرمیڈیٹ، ڈی ٹیچنگ درسٹی الہ آباد سے ۱۹۲۴ء میں بی اے اور ۱۹۲۶ء میں قانون کی ڈگری حاصل کی۔ عہد شباب میں انھوں نے حضرت شاہ اسعد الرحمٰن قدسی کے ہاتھوں پر بیعت کر لی تھی۔ اقبال حسین خاں ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۲ء تک نواب حمید اللہ خاں کے ندیم خاص ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۶ء تک تحصیلدار اور ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۷ء تک اسسٹنٹ ڈائرکٹر لینڈ ریکارڈز رہے ۱۹۶۳ء میں مدھیہ پردیش دینی تعلیمی کانفرنس کے جنرل سکریٹری مقرر ہوئے۔ کوٹھاری کمیشن کے روبرو انھوں نے بھوپال اور بعد میں نئی دہلی میں مسلمانوں کے تعلیمی مسائل پیش کئے۔ ان کی تصنیف "مسلمان کے نام" شائع ہو چکی ہے۔ "خاتون" اور "حیات قدسی" ان کی دوسری تصانیف ہیں جن کی اشاعت باقی ہے۔ اقبال حسین خاں کا انتقال ۱۸ رمئی ۱۹۷۴ء کو ہو گیا۔

اقبال حسین خاں، ممنون حسن خاں، سید علی حسین اور عبد الحلیم انصاری کے درمیان مخلصانہ تعلقات تھے۔

عبد الحلیم انصاری ہندوستان کے مایۂ ناز مصور تھے ان کی فطرت اور آثار قدیمہ کی تصاویر عالمی سطح پر مقبول ہوئیں۔ انصاری نے گاندھی جی، جواہر لال نہرو، اندرا گاندھی، رادھا کرشنن اور ڈاکٹر شنکر دیال شرما کی تصاویر کے علاوہ محمد علی جناح اور عبد المجید (بارایٹ لا) کے اسکیچ اس وقت بنائے تھے جب دونوں جسٹس سلام الدین کے اجلاس میں ریاست ٹونک کے ایک مقدمہ کے سلسلہ میں موجود تھے۔ انصاری کی اقبال کی چارکول کی تصویر بہت مقبول ہوئی۔ ادب میں

انصاری اقبال کے مصور کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ انھوں نے اقبال کو سامنے بیٹھا کر ان کی تصویر بنائی تھی۔ اقبال کی یہ تصویر بھوپال کی واحد دستیاب تصویر ہے جس میں اقبال کے خدوخال نہایت واضح اور روشن ہیں۔ سیاہ کوٹ چھوٹے کالر کی قمیص میں سیاہ و سفید دھاری کی ٹائی اور سنورے بالوں میں اقبال کا چہرہ بھرا بھرا نہایت پُرسکون اور فکر انگیز دکھائی دیتا ہے۔

عبدالحلیم انصاری کے والد عبدالرحیم انصاری بھوپال دربار سے وابستہ تھے۔ عبدالرحیم انصاری نے بھوپال میں فن مصوری کی بنیاد رکھی تھی جسکو عبدالحلیم انصاری نے پروان چڑھایا۔ عبدالحلیم انصاری ۱۰ صفر ۱۳۱۵ھ بروز اتوار پیدا ہوئے بھوپال کے فطری مناظر اور والد کی فن مصوری کی تعلیم اور نواب سلطان جہاں بیگم کی حوصلہ افزائی نے ان کے ذوق و شوق کو ابھارا۔ انصاری نے الیگزینڈرا اسکول میں تعلیم حاصل کی۔ نواب سلطان جہاں بیگم نے ان کو باقاعدہ فن مصوری کی تعلیم کیلئے بمبئی کے مشہور جے جے اسکول آف آرٹس میں داخل کر دادیا۔ جہاں ہو گرتھ، گلیڈ اسٹون سالومن، اے دی دھر مینڈر سے انھوں نے استفادہ کیا۔ دوران تعلیم ہی ان کو اعزازات ملے۔ گورنر بمبئی سر لائڈ جارج اجنتا فرسکو کے شائق تھے۔ انھوں نے ان نمونوں کو محفوظ کرنے کے لئے ایک ٹیم روانہ کی تھی جس میں انصاری بھی شامل تھے

انصاری کو فن مصوری کے علاوہ ادب سے بھی دلچسپی تھی۔ ان کے مضامین معیاری رسالوں اور اخباروں میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ ۲۴ فروری ۱۹۲۶ء کو نواب ریاست بھوپال کے مصور کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا۔ اسی برس نواب سلطان جہاں بیگم انصاری کی مصوری کے شاہکار اپنے ساتھ انگلستان لے گئیں جو انگلستان کے شاہی خاندان کے افراد کو نذر کئے گئے تو انصاری کی شہرت کا ڈنکا بجنے لگا۔

انصاری نے انسانوں کی بنائی ہوئی اپنی تصاویر کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔ واٹر کلر کا کام مشکل ہے اور انصاری نے اس فن میں کمال پیدا کیا۔ عبدالحلیم انصاری نے اقبال کی صرف ایک تصویر بنائی تھی وہ بھی صرف چار کول سے۔ اقبال کئی ماہ تک بھوپال میں مقیم رہے انصاری چاہتے تو

ہر رنگ میں ان کی تصویر بنا سکتے تھے۔ دوسرے انسانوں کی مصوری انصاری کا خاص میدان نہ تھا اسلئے اقبال کی بنائی ہوئی تصویر انصاری کے فن کا شاہکار بھی نہیں انصاری کے تمام ناقدین اور پرستاروں، عرش ملسیانی کو چھوڑ کر نے ان کے قدیم آثار اور مناظر فطرت کو ہی پسند کیا۔ انصاری تحائف میں آثار قدیمہ اور مناظر فطرت کی بنائی ہوئی تصاویر ہی روانہ کیا کرتے تھے۔

مدھیہ پردیش سرکار نے اس بڑے مصور کا دسمبر ۱۹۷۱ء سے ایک سو پچاس روپے ماہانہ وظیفہ مقرر کیا۔ ان کی پچاس سالہ خدمات کے اعتراف میں آرٹ سوسائٹی نے کلا پریشد کے تعاون سے ۲۲ر دسمبر کو بتر کار بھون میں انصاری کے شاہکاروں کی نمائش کی۔ اس موقع پر ان کے فن پر عالمانہ تقریریں ہوئیں۔

جنوری ۱۹۵۲ء کے "آجکل" نئی دہلی میں عبدالحلیم انصاری کا ایک مضمون "آرٹ اور آرٹسٹ" شائع ہوا۔ ان کے مضمون کے قبل عرش ملسیانی کا مضمون "عبدالحلیم انصاری مصور و مفکر" شائع ہوا تھا اس مضمون میں عرش ملسیانی نے تحریر فرمایا تھا۔

" انصاری کا مرتبہ دنیا کے فنکاروں میں اس لحاظ سے
بہت بلند ہے کہ ان کا آرٹ صرف برش اور کینوس تک
ہی محدود نہیں ہے بلکہ وہ ایک بہترین مصور ہونے کے
ساتھ ساتھ بہت بڑے فلسفی اور بلند پایہ ادیب بھی ہیں
ان کی نثر وانشا شاعرانہ ہے اس لئے وہ شاعر بھی ہیں"

"افکار" کراچی کا جوش نمبر ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا اس میں عبدالحلیم انصاری کا مضمون بھی شامل تھا جس کے بارے میں صہبا لکھنوی مدیر "افکار" نے تحریر کیا کہ:-
"انصاری صاحب کا معرکہ آرا مضمون جوش ملیح آبادی پر جب شائع ہوا تو مجھے کئی تعریفی خطوط ملے:

عبدالحلیم انصاری کا زیادہ ربط سر راس مسعود سے تھا وہ سر راس مسعود سے بہت متأثر تھے اور انکی ایک ایک بات محفوظ رکھتے تھے چنانچہ ان کی یادداشتوں میں سر راس مسعود ان کے خلوص، ان کی علالت، ان کے وفات اور ان کے دفن کی تفصیلات محفوظ ہیں۔ انصاری مرحوم نے سر راس مسعود کے خاندان سے آخری دم تک روابط قائم رکھے۔

عبدالحلیم انصاری الرسمی ۱۹۷۹ء کو اس دارِ فانی سے رخصت ہوگئے۔

مولانا سید عابد علی وجدی الحسینی کو بھی لاہور میں علامہ اقبال سے دو چار چھ ملاقاتوں کا شرف حاصل ہوا تھا۔ بقول وجدی صاحب علامہ محمد انور شاہ اور مولانا احمد علی سے کافی متاثر تھے۔ روحانی سلسلہ میں مولانا احمد علی اور اہم مسائل میں رہنمائی کیلئے محمد انور شاہ صاحب سے رجوع کیا کرتے تھے "شاہ صاحب کو ملا ضیغم لولابی کہا کرتے تھے"۔ علامہ نے ان کی تصنیف "مرقاۃ الطارم لحدوث العالم" کا مطالعہ فرمایا تو کہا کہ قدما کی یاد آگئی۔ انھوں نے ہی علامہ کی توجہ اس حدیث قدسی کی طرف مبذول کرائی تھی جس کا مفہوم ہے کہ زمانے کو برا مت کہو کہ خدا ہی زمانہ ہے۔ جب علامہ نے برگساں سے اس حدیث کا تذکرہ کیا تو وہ حیران رہ گیا کہ چودہ سو برس پہلے اس قسم کے خیالات پیش کئے جاچکے تھے۔ مولانا انور شاہ کا نکاح بھوپال میں ہوا تھا اور ان کی اہلیہ بھوپال کی تھیں۔ اس گھر میں وجدی صاحب کو بیٹے جیسا مقام حاصل تھا۔ شاہ صاحب کے صاحبزادہ ازہر شاہ (وجدی) صاحب کے ہم درس تھے۔ شاہ صاحب کے انتقال کے بعد ان کے چھوٹے بھائی سلیمان شاہ نے ازہر شاہ کو تحریر کیا کہ کشمیر آئے تمہیں کافی دن ہوگئے ہیں اسلئے ملاقات کر جاؤ۔ ازہر شاہ اور وجدی صاحب امتحان سے فارغ ہوئے ہی تھے دونوں لاہور ہوتے ہوئے کشمیر گئے۔ واپسی میں وجدی صاحب اپنے استاد مولانا احمد علی صاحب کے گھر دو تین ماہ مقیم ہوئے۔ علامہ اس زمانہ میں ۱۹۳۰ء جاوید منزل میو روڈ لاہور میں قیام پذیر تھے انھیں معلوم ہوا کہ وجدی صاحب مولانا احمد علی صاحب کے یہاں مقیم ہیں تو خاص توجہ فرمانے لگے۔ جناب وجدی صاحب کبھی مغرب سے قبل اور کبھی مغرب کے بعد علامہ کے در دولت پہ حاضر ہوتے۔ کرسیاں ڈلی رہتی تھیں کبھی علامہ موجود ہوتے اور کبھی ان کا انتظار ہوتا۔ وہ خاموشی سے جاکر ادب سے بیٹھ جاتے علامہ نے دریافت فرمایا کہاں مقیم ہو جب معلوم ہوا کہ مولانا احمد علی صاحب کے یہاں مقیم ہیں تو کافی توجہ فرماتے۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو جناب وجدی صاحب خاموشی سے اٹھ جاتے اور نماز پڑھ کر واپس آجاتے۔ علامہ نے جانے اور آنے کا سبب دریافت نہیں فرمایا۔ علامہ انگلستان سے واپس آچکے تھے۔ ایک برٹش لائبریری اور پروفیسر ٹامس آرنلڈ کے بارے میں ایک محفل میں تفصیل سے فرمایا۔ برٹش لائبریری کے دو حصے تھے۔ ایک صرف انگریزوں کیلئے اور دوسرا سب کیلئے۔ علامہ پہلے حصہ کو بھی دیکھنا چاہتے تھے جو ممکن نہ تھا۔ ان کا شوق دیکھ کر پروفیسر آرنلڈ نے

اس کا بھی انتظام فرما دیا۔ علامہ سے کہا کہ آدھی رات کے بعد جانا باہر کوئی نہیں ملے گا دروازہ اندر سے بند ہوگا۔ دھیرے سے دروازہ تھپتھپانا دروازہ کھل جائے گا اور رہبر اس مخصوص مقام تک پہونچا دے گا۔ آخر علامہ "شعبہ اندلسیات" تک پہونچ گئے جہاں مختلف علوم و فنون پر قیمتی کتب موجود تھیں ان میں ایک کتاب میں ایسا علم تھا کہ اگر آدمی کسی جگہ محصور ہو تو بھی اپنا پیغام باہر پہونچا دے۔

ایک محفل میں دوسرے موضوعات پر اظہار خیال کے بعد ایک واقعہ سنایا جو فارسی کتب میں موجود تھا ایک بادشاہ کے دربار میں ایک مشہور پہلوان تھا جب بوڑھا ہوگیا تو بادشاہ نے اس سے کہا کہ اپنا فن سکھا جاؤ ورنہ تمہارے ساتھ ہی ختم ہو جائے گا پہلوان راضی ہوگیا۔ ایک نوجوان تلاش کر کے لایا گیا تو پہلوان نے اسے سارے گر سکھا دئے بادشاہ کو دلچسپی پیدا ہوئی اور جائے استاد کیلئے پہلوان اور اس کے شاگرد کے درمیان مقابلہ ہوا شہر میں چہ میگوئیاں ہوئیں کہ استاد شاگرد کے منہ آرہا ہے۔ جب استاد اور شاگرد کے درمیان مقابلہ ہوا تو استاد نے شاگرد کے سینے پر سوار ہو کر کامیابی حاصل کر لی۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور پہلوان سے فتح کا سبب دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ استاد ایک داؤ بچا کر ضرور رکھتا ہے۔ علامہ نے واقعہ کے بیان کے بعد فرمایا کہ "پہلوان فطرت بھی ایک داؤ بچا کر رکھتی ہے اور وہ ہے موت"۔

جناب سید عابد علی وجدی الحسینی صاحب ولد سید صابر علی صاحب مرحوم بھوپال میں ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی تاریخ پیدائش محفوظ نہیں۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ سلیمانیہ اور جامعہ احمدیہ (۱۹۲۴-۱۹۳۰ء) بھوپال میں اور اعلیٰ تعلیم دارالعلوم دیوبند (۱۹۳۲-۱۹۳۷ء) میں حاصل کی۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا اعزاز علی، حضرت مولانا ابراہیم بلیاوی، شیخ المعقولات میاں سید اصغر حسین اور فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب جیسے جید علماء اور ماہرین سے اعزاز تلمذ حاصل رہا ان کے جوہر ذاتی پر جلا ہوئی۔ سند فضیلت و تکمیل حاصل کی مولوی فاضل و ادیب فاضل کے امتحانات (۱۹۴۰ء) پنجاب یونیورسٹی سے پاس کئے۔

درس و تدریس کا آغاز رانڈیریہ کالج رنگون یونیورسٹی (۱۹۳۸ء) سے کیا جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی (۱۹۴۰ء - ۱۹۴۲ء) سے وابستہ رہے اور ان کا شمار ڈاکٹر ذاکر حسین کے معتمد کارکنوں میں ہوتا تھا۔ مدرسہ سلیمانیہ و جامعہ احمدیہ بھوپال میں (۱۹۴۲-۱۹۵۰ء) تاریخ و حدیث کے استاد رہے۔

انوار العلوم بھوپال پور (۱۹۵۰ - ۱۹۵۴ء) اور دارالعلوم تاج المساجد بھوپال (م ۱۹۵۴ - ۱۹۶۰ء) سے بھی وابستہ رہے۔ ۱۹۶۰ء سے جامعہ اسلامیہ عربیہ بھوپال کے صدر مدرس، شیخ الحدیث اور قاضیٔ شہر کے معزز عہدہ پر فائز ہیں۔

حضرت وجدی الحسینی صاحب کو ابتدا ہی سے مذہب کے ساتھ ادب سے بھی دلچسپی تھی، دیوبند کے ہفت روزہ "الانور" کے ادارہ تحریر میں معاون تھے۔ حضرت سیماب اکبرآبادی کے فارغ الاصلاح تلامذہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ ابھی حال میں ان کا تحقیقی کارنامہ "ہندوستان اسلام کے سائے میں" نام سے کتاب شائع ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ سیرت النبیؐ کامل منظوم نعتیں اور مناجات، تاریخ بزرگانِ بھوپال (تاریخ قضاۃ و مفتیان بھوپال تاریخ علماء و صوفیاء بھوپال) قطبِ مالوہ (احوال و سیرت حضرت شاہ پیر فتح اللہ چشتی) آزادیٔ ہند میں بھوپال کا حصّہ، عربی ام الالسنہ، قوس و قزح (غزلیں و نظمیں) گل و ثمر (رباعیات) اور سازِ برگ (مجموعہ مقالات) اشاعت کی منتظر ہیں۔ حضرت وجدی الحسینی کی مذہبی، علمی، ادبی و صحافتی زندگی میں بڑی قدر و منزلت ہے اور تمام حلقوں میں اپنی روشن ضمیری اور کشادہ نظری کیلئے مشہور ہیں۔

۳ بھائی لالہ اودھ نرائن بسریا کو اورینٹل کالج کے پرنسپل اے ڈبلیو سٹلیٹن نے اپنے مکتوب مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۰۰ء میں علامہ اقبال کی جگہ پڑھانے اور ان سے چارج لینے کیلئے ۳ جنوری ۱۹۰۱ء کی صبح مدعو کیا تھا اور اقبال کی ماہانہ تنخواہ (۷۲ روپے ۱۴ آنے اور ۸ پائی) کی دو تہائی ادائیگی کی پیشکش کی تھی۔ بسریا صاحب نے تقریباً ۶ ماہ پڑھایا تھا مرقع اقبال مرتبہ پروفیسر جگناتھ آزاد میں توقیتِ اقبال میں اس کا اندراج نہیں جبکہ حیاتِ اقبال مرتبہ پروفیسر رفیع الدین ہاشمی مطبوعہ اقبال نمبر نقوش لاہور ستمبر ۱۹۷۷ء میں ۱۹۰۱ء میں یکم جنوری کو علامہ اقبال کے اسلامیہ کالج لاہور میں چھ ماہ کیلئے انگریزی کا استاد مقرر ہوتے اور یکم جولائی کو اورینٹل کالج لاہور میں اپنی ملازمت پر واپس آنے کے اندراجات ہیں۔

۱۹۰۳ء میں نواب سلطان جہاں بیگم کے زمانہ میں بسریا صاحب بھوپال میں اکاؤنٹس آفیسر ہو کر آ گئے، ترقی کر کے اکاؤنٹنٹ جنرل، فائنانس سکریٹری، وزیر قانون اور انصاف اور وزیر اعظم ریاستِ بھوپال مقرر ہوئے۔ نواب حمید اللہ خاں نے "راجہ" اور "معتمد السلطنت" کے خطابات سے نوازا۔ جب علامہ بھوپال تشریف لاتے تھے تو بسریا صاحب ان سے ملاقات کیلئے حاضر ہوتے تھے۔ بسریا صاحب کا بھوپال ہی میں ۲۰ جون ۱۹۵۶ء کو انتقال ہو گیا۔ ●●

غیر مطبوعہ مکاتیب بنام ممنون حسن خاں

اقبال

جاوید اقبال

مکتب اقبال محمد شفیع

علیا حضرت میمونہ سلطان

راس مسعود

امتہ المسعود

انور مسعود

اخلاق اثر

غیر مطبوعہ مکاتیب ممنون حسن خاں بنام

عبدالحلیم انصاری

اخلاق اثر

لاہور

۵ اگست ۱۹۳۶ء ڈیر ممتون صاحب آپ کا خط کل ملا جس سے مفصل حالات مرحوم کی بیماری کے معلوم ہوئے۔ آپ کے خط کے ساتھ ہی لیڈی مسعود کے والد صاحب کا خط بھی ملا جس سے معلوم ہوا کہ مرحوم کی موت کالا آزار سے واقع ہوئی ہے کالا آزار مشرقی افریقہ کی بیماری ہے۔ بھوپال میں اس کا ظاہر ہونا تعجب کی بات ہے لیکن اس خیال سے کہ شاید کسی اور کو نہ ہو جائے۔ میں آپ کو اس کا ایک سہل نسخہ جو مجھ کو اپنے ایک دوست سے معلوم ہوا ہے لکھتا ہوں۔ مریض کو پیٹھ کے بل سیدھا لٹا دیتے ہیں۔ اور اس کو کسی قسم کی حرکت کرنے کی اجازت نہیں دیتے کھانے کے لئے بھی کچھ نہیں دیتے، صرف [illegible] کا پانی پلائے چلے جاتے ہیں بسا اوقات اس پانی کے چودہ گھنٹہ تک استعمال کرنے سے مریض کا پیشاب صاف ہو جاتا ہے۔ مشرقی افریقہ میں یہی علاج اس بیماری کا کیا جاتا ہے اور ہمیشہ کامیاب رہتا ہے افسوس ہے کہ ڈاکٹر اس علاج پر بھروسہ نہیں کرتے اور بالعموم اپنے سائنٹیفک علاج میں ناکام رہتے ہیں بہرحال اب جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ مرحوم کے دوستوں کو اس کی بیوہ اور بچی کے ساتھ عملی ہمدردی کرنے کا کوئی طریق سوچنا چاہیے۔ اس غرض کے لئے میں آپ سے چند باتیں پوچھنا چاہتا ہوں اگر ذاتی طور پر آپ کو علم ہو تو لکھ بھیجیے۔ کسی سے تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس خط کو confidential تصور کیجیے۔

(۱) مجھے معلوم ہے مرحوم کو آپ پر بڑا اعتماد تھا۔ اور غالباً ان کی کوئی بات آپ سے پوشیدہ نہ تھی میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا انہوں نے موت سے پہلے کوئی وصیت کی۔ یا کسی اور طریق سے اپنے بیوہ اور بچی کے لئے provide کیا۔ ان کے بینکنگ اکاؤنٹ کا آپ کے علم میں کیا حال ہے۔ ان کے اخراجات بہت تھے جس سے مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ شاید وہ اپنی بیوہ اور بچی کے لئے کوئی provision کر سکے ہوں گے۔

(۲) علی گڑھ کے خطوط سے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ مرحوم کا بڑا بیٹا انور علی گڑھ

میں ہے۔ کیا وہ بھوپال پہنچ سکا اور باپ کی کچھ خدمت کر سکا۔

(۳) میرا خیال تھا کہ لیڈی مسعود اور ان کے والد جنازہ کے ہمراہ علی گڑھ چلے گئے ہوں گے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ نہیں جا سکے۔ اس کی وجہ کیا ہے۔

اس خط کا جواب مجھے جلدی دیجیے۔ ان کے کتبہ مزار کے لیے اشعار منتخب کر کے بھیجوں گا۔ ان کی وفات پر چند اشعار لکھ رہا ہوں جو میرے دوسرے مجموعہ میں شائع ہوں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے ہی شائع ہو جائیں۔ والسلام

محمد اقبال

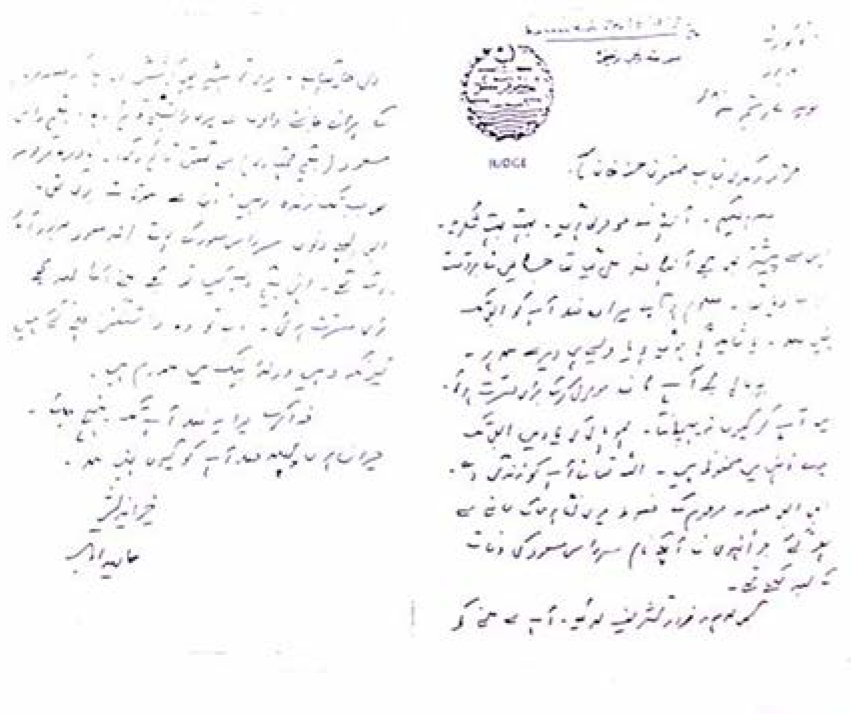

۱۳- بابر بلاک - نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور - پاکستان یکم ستمبر ۱۹۸۶

جناب محترم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا ایک مضمون بعنوان "اقبال کا شاہین بھوپال میں" "نوائے وقت" لاہور کے جمعہ ایڈیشن
میں نظر سے گذرا تھا۔ میں نے ایڈیٹر "نوائے وقت" سے دریافت کیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ یہ
مضمون چیف جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب کے ذریعے شائع ہوا تھا۔ تب میں
نے ڈاکٹر چیف جسٹس جاوید اقبال کو خط لکھ کر آپ کا پتہ معلوم کیا۔
ان کا آج ہی خط موصول ہوا۔ جس میں آپ کا ایڈریس درج ہے
لہذا یہ خط آپ کو لکھ رہا ہوں۔ لیکن پہلے میں اپنا تعارف کروا دوں
خاکسار کا نام محمد شفیع ہے اور میں [illegible] تشنہ کے
قلمی نام سے معروف ہوں۔ جس زمانے میں حضرت علامہ اقبال جاوید منزل میں
مقیم تھے میں ان دنوں ایک سہ ماہی بنام "اثر" کا [illegible]
[illegible] تھا۔ اسی حیثیت میں جاوید منزل میں حضرت علامہ کی خدمت
بابرکت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ از راہ شفقت [illegible]
میں ہی حضرت علامہ اقبال کی خدمت کیا کرتا تھا۔ آپ نے
حضرت علامہ نے اپنے خطوط مجھے ہی ڈکٹیٹ کروائے تھے۔ ان خطوط میں
[illegible] کے متعلق بھی لکھا کرتے تھے۔ علاوہ
لیڈی مسعود اور بے بی نادرہ بھوپال تشریف لے گئے تھے۔ تو یہ بھی
جب وہ ۱۹۳۶ء میں بھوپال
ان کو لاہور کے ریلوے سٹیشن پر الوداع کہنے گیا تھا۔
الحمد للہ - مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی ہے کہ
آپ خدا کے فضل و کرم سے صحت مند ہیں اور تخلیقی سرگرمیوں میں مصروف
ہیں۔ حضرت علامہ اقبال کو سر راس مسعود سے بے حد پیار تھا
ان کے انتقال کی خبر سن کر جو ان کی حالت ہوئی تھی۔ میں نے

اپنی آنکھوں سے ان کا نظارہ کیا تھا۔ کیونکہ میں ان دنوں جاوید منزل میں
زیادہ وقت گزارتا تھا۔ انہوں نے راس مسعود (مرحوم) پر جو نظم ایک
خونِ جگر سے مرتب کی تھی۔ اسے انہوں نے مجھ سے ہی لکھوایا تھا۔
ان کی آنکھوں میں بار بار آنسو آتے تھے۔ [illegible] آپ کے
اور لیڈی مسعود سے خاصی طویل خط و کتابت رہی تھی۔

حضرت علامہ اقبال سے ملے کے معاملات روحانی مقام
پر فائز تھے۔ ان پر دنیا اور آخرت کے تمام احوال منکشف ہو
گئے تھے۔ میں نے اپنے کانوں سے ایسی باتیں سنا تھا۔ کہ میں آ
قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے [illegible] ان کے معانی [illegible]
اب حضرت مجدد الف ثانی [illegible] کا اعتبار رہے۔ میں نے انگریزی میں ایک مضمون میں لکھا تھا۔ وہ ایک
[illegible] گفتگو میں [illegible]
انتقال کے وقت اپنے [illegible] پر [illegible] کہ

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لبِ اوست

اگر آپ ان معروضات میں سے اپنے [illegible] تو مجھے [illegible]
کا [illegible] کا باعث ہوگا۔
[illegible]
علامہ اقبال [illegible]
امید ہے [illegible]

والسلام
مخلص
محمد شفیع
١٢ [illegible]

بچے محمود - جیتے رہو

بعد از دعا آنکہ تمھارا تبرک

حضرت نظام الدین اولیاء کے درگاہ کی

زیارت تو دل میں ہی تھی مگر بغیر تمہارے تشریف کر دوں

بہت تمہارا احسان لیکن تبرک دیر سے پہنچا

ہاں آپ کا ملنا والدہ کا مبارک

تمھارا

محمود

Indore
28/2/37

My dear Manmohan

Please accept my grateful thanks for your most kind & affectionate letter which arrived two days ago. Kindly convey my respectful thanks also to your revered mother & tell her how very very much I value her [illegible] for my wife at this juncture. Tomorrow is the critical day. May all go well. I shall let you have a line as soon as possible. Now I want you to do two things:—

(1) I see that my salary is paid into the bank at once

(2) Ask [illegible] Mr. [illegible] to finish both the Hall & my office as soon as possible. Tell him to examine the middle portion also of the roof of the Hall which too I am afraid was as badly

built as the portion that came down. If Mr Ghulam Ali finds that this middle portion too is not safe then please ask him to see that the entire heading all round is made uniform when he rebuilds this middle portion also. All this is most important, for our Bibi Imtia Allah returning to Riaz Manzil we cant have the workmen in it.
When you come here please bring with you the old copies of Illustration as we have promised to give them to the Nursing Home.

Again with deep thanks for your most kind letter

I remain

your sincere well wisher

[illegible]

علیگڑھ

25.9.98

ڈیر ممنون صاحب ۔ تسلیم

ابھی آپ کا خط ملا ۔ بہت بہت شکریہ ۔

ایک تکلیف آپکو اور دیتی ہوں معاف کیجئے

میرے پاس بار بار تکلیف دینے پر معاف فرمائیے گا

اور سارہ میرا کام اس دفعہ کر دیں گے ۔

چینی ہاؤس کے کوئر صاحب والے مکان جس میں

رکھے ایک سیمنٹ میں جالی لگی تھی ۔

کیونکہ اس جالی کا design کی سخت ضرورت

ہے ۔ غالباً یہ جالی دو طرح کی تھی ۔ ایک تو

گول گنبد کی طرح کی تھی جو بارش میں فانوس وغیرہ کے

پاس ہے اور دوسری آنگن کے زینے میں ایک جیسی بنی

تھی کھڑکی ہے جس میں یہ جالی بنی ہوئی ہے

اور شیشہ لگا ہوا ہے - آپ انصاری صاحب
سے کہیں کہ وہ مہربانی کرکے ان پر دو جالیوں
سے ایک سادے کاغذ پہ پنسل سے design
draw کر کے میرے پاس بھیج دیں تو میں رنگین بنا
سکوں گی - براہ مہربانی رسالہ کبھی کبھی
[illegible] کریں اور نہ ہو سکے تو [illegible] پہ لگانے کی
ضرورت ہے کہ یہ میں نے منگوائی ہے =
بیمار ہے انصاری صاحب اکثر آتے تھے کہ [illegible]
کام کیجئے - انہیں بھی یہ تکلیف دے رہی
ہوں - امید ہے کہ آجکل انکو فرصت ہوگی اور
وہ اسے جلد کر سکیں گے - جتنی بھی جالیاں
ہو سکا آپ جمع یہ بھیج دیں - [illegible]
اس وقت حالات میں اور کچھ نہیں لکھ سکتی [illegible]
والدہ کو میرا سلام ضرور کہیے گا اچھا خدا حافظ

P.O. Box 531
Dubai UAE
17.XII.80

Reply sent on 30.12.80 [initials]

My very dear Mamoon,

I cannot tell you how delighted I was to be handed your letter last evening by Siraj Ahmad. I had not known of his existence until just now and therefore was unaware of your connection with him or his family. Whatever can be done will be done Inshallah but this may take some time. Consequently all concerned will need to exercise patience!

It was a great pleasure for me to meet Kailash again after so many years and we relived many happy and priceless memories which never dim let alone fade.

We have now been in Dubai for almost seven years — in fact ever since the creation of Bangladesh where I had my own business. Thanks be to Almighty God we are very happy and contented. Both my girls now also live which enable

us to live as a family!
I keep planning to visit Bhopal
but get only as far as Delhi-Aligarh
Perhaps I shall have better luck
next time!
Look after yourself and here's
to our next meeting!
Yours as ever
Ervin

از مشعل شرق نمبر ۲

۱۹ مارچ [illegible]

بیٹے ممنون

تم نے لکھا تھا کہ آپ نے مجھ کو تمہاری اطلاع دیر سے کی کہ تم تمام شب
کے عذاب میں گزار رہے تھے والدہ تمہیں تمہاری مرض میں
اگر بڑی کام آئیں بیٹی وا اختلاج تمام شب نہ اس سال [illegible]
معلوم ہوتا ہے کہ تم سمجھا رہے ہو اور منتظر ہو تو
تشریف لکھی ہیں

تم نے میری درخواست منظور [illegible]
کر لی کہ موسم گرما میں جو کسی کے ذریعہ بھیجی تم نے
بھیجی تھی اور اب کوئٹہ جانے کی ضرورت الحمد للہ نہیں
رہی کیونکہ کمر کی تکلیف بڑی حد تک دور ہو گئی ہے لگ بھگ
دن عنقریب میں ہوں یہ ہے کہ تم بہت مہربانی کرنا تم کبھی
دوست کے [illegible]

مشکل دعا خواہی سے [illegible] انشاء اللہ تمہیں خوشی ملے
رکھی تمہیں کہ [illegible] اور تمہارا سلسلہ خریدیں
امید کہ تم خط لکھو مہر دار لکھو کہ کسی سے قبول
کر لو گے [illegible] کے ذریعہ ارسال کرو گے خوشی وا احمد کے
آداب قبول کرو تمہاری عمر و اقتدار کی دعا گو
اکبر [illegible]

Dr. AKHLAQ ASAR
M.A. (URDU), M.A. (ENGLISH), Ph.D.
Vice President
All India Urdu Writers & Journalists Forum
For National Integration (Registered)

SADIQ MANZIL,
Chowki Imambara,
BHOPAL - 462 001

Dated ۲۳/اپریل ۱۹۸۶

نقل

محترم جناب ممنون حسن خاں صاحب ! سلام مسنون

بھوپال میں "اقبال یادگار" کے قیام کا خواب پورا ہوگیا اور اقبال ادبی مرکز بھی وجود میں آگیا اور خدا کا شکر ہے کہ آپ اس کے چیرمین ہیں۔

اقبال کی برسی آئی اور چلی گئی - حیدرآباد میں بین الاقوامی سیمینار ہوگیا - حیدرآباد سے زیادہ بھوپال پر حق تھا - اقبال لائبریری اور ایک دوسری تنظیم نے ادبی پروگرام کیا - افسوس کہ آپ کے ادبی مرکز نے کوئی بھی پروگرام نہیں کیا - ماہر اقبالیات پروفیسر رفیع الدین ہاشمی بھوپال آئے اور چلے گئے، کوئی پروگرام نہیں ہوا - بھارت بھون میں فیض پر پروگرام ہوا تھا جس میں وقت کے اہم فنکاروں نے فیض کا کلام پڑھا تھا۔ اسی نوعیت کا پروگرام ہو سکتا تھا - آپ اقبال کے سلسلے میں دوسروں کو متوجہ کیا کرتے تھے - اسی فرض کو یاد دلا رہا ہوں - ایسا نہ ہو کہ لوگ کہیں کہ اقتدار میں آنے کے بعد آپ کو اقبال سے پہلی جیسی عقیدت نہیں رہی -

عقیدت اور ادب کے ساتھ۔

خاکسار

اخلاق اثر

Copy 28/4/86

فردوسی

بھائی ڈیر حلیم الصدی - تسلیم

مہربانی کر کے جمعہ [illegible] بجے [illegible] تشریف لا کر

مجھ سے یا مسٹر [illegible] سے مل لیجئے ۔ فردوسی کی گفتگو کرنا ہے

مخلص
مسعود حسن ر

۲۸ نومبر

[illegible]

آج میں [illegible] تو ذریعہ [illegible]

مجھے [illegible]

ریاض منزل
[illegible] ۳ ۱۹[illegible]ء

مائی ڈیر انصاری — سلام و رحمت!

فریم شدہ تصویر شکریہ کے ساتھ واپس کرتا ہوں کہ نواب سر راس مسعود صاحب
کی دوسری تصویر کا فریم لگا ہوا ہے۔ [illegible] کہ بعد واپسی کا ارادہ
[illegible] — لہٰذا آپ [illegible] بغیر فریم کے ارسال فرمائیے
(۲) آپ اس تصویر [illegible]
[illegible] ارسال کیا ہوں — [illegible]
[illegible] کہ نواب [illegible] گا [illegible]
[illegible] لہٰذا [illegible] آپ کی [illegible]
[illegible]
[illegible] مطلوب ہے
(۳) آپ کی [illegible] نواب [illegible]

[illegible] - [illegible] R

کہ آج شاہ یزدانی کی سوانح [illegible] سرکار

کو دوست نہ تھی - اس نے آں محمود [illegible] - الف

اب جو [illegible] ایک دن اب

[illegible] کی جنگ [illegible]

[illegible] - [illegible]

اندر [illegible]

[illegible] دیوان [illegible]

[illegible] ایک اردو

[illegible] - [illegible]

[illegible]

[illegible] دیوان [illegible]

ادارہ محترم سلام

میں نے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۱۱/۱۰

۹ر اکتوبر ۱۹۷۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کراچی - ۳ر دسمبر ۱۹۸۶ء

عزیز القدر سلمہ - سلام مسنون -

حضرت! آپ کے کارڈ نے بہت ہی فرحت بخشی - مہربانی عزیب مزاج سے آگاہی بخشئے - خدا کرے آپ ہر طرح سے خیریت سے ہوں -
آپ ایک دم [illegible] ہو گئے ہیں - اور کسی کی زیر زور آپ کی قریب مسلم شہر ہوتی ہے - کم از کم فون پر گفتگو کر لیا کیجئے میں صبح کو ۱۱ اور ایک بجے کے درمیان عزیز خانہ میں موجود رہتا ہوں - اور اس وقت فون پر گفتگو ہو سکتی ہے - اگر میں رات میں بات کروں تو آپ خود ملنے کی کوشش کریں گے -

کل ۲۱۲ ایکسیس گیا تھا - جناب عبد الرؤف صاحب سے ملاقات ہوئی - اسی سلسلے میں آپ سے مشورہ کرنا ہے - خدا کرے آپ کو فرصت مل جائے - والسلام

خیر طلب
محمد یوسف

امید ہے کہ آپ اور آپ کے متعلقین بفضلہ تعالیٰ بخیریت ہوں گے۔
آپ کے والد صاحب قبلہ کی خیریت معلوم ہوتی رہتی ہے۔ خدا کرے آپ کا مزاج گرامی بالکل اچھا ہو گیا ہو۔

4567
2:27

G. 20 F.A.

G. I. P.

No. 5/7 Date 4.8.37 Loco Foreman Bhopal Address.

Your Date

The Personal Assistant to
To the Education Member
Bhopal.

I send you herein a receipt for [illegible] for 41-9-0 [illegible] Rupees [illegible]
of one teakwood Coffin 6-6".

[illegible]
Loco Foreman

2393 49 G. S. B.

G. I. P. RY. No.

Dept. Transp. Station Bhopal Date 4. 8. 1937.

Received from M.A. Khan Esqr.

the sum of Rupees Forty one Annas Nine only.

on account of one coffin teakwood 6'-6" supplied for the remains of Sir Sayed Ros Masood Education Minister

[signature]
L. F.

Rs. 41/9/-

علیگڑھ کا سفر

First Class Carriage No. 2829.
(Reserved)

سر راس مسعود کی لاش کے ساتھ علیگڑھ کا سفر

30th July 1937

Ticket Nos. 1674 } دو ٹکٹ
1675 }

کرایہ بھوپال سے آگرہ کینٹ each 5/7/- کرایہ

= بھوپال اسٹیشن سے شام کو ۷ بجکر ۳۰ منٹ پر روانگی برائے علیگڑھ

- جھانسی —— ۱۲ - ۴۵ شب
- گوالیار —— ۳ - ۳۰
- دھولپور —— ۳ - ۴۵
- آگرہ کینٹ — ۴ - ۲۵ علی الصبح ۳۱ جولائی یوم شنبہ

~~~~~~~~~~

۳ اگست ۳۷ء —— علیگڑھ کی واپسی

= علیگڑھ سے واپسی - ۵ بجکر ۵ منٹ پر اسٹیشن سے روانگی

- ٹنڈلہ —— ۷ بجے شام
- آگرہ سٹی ([illegible]) —— ۸ ½ بجے رات
- آگرہ کینٹ —— ۸ - ۴۵ پر
- روانگی از آگرہ کینٹ —— ۱۰ بجکر ۵ منٹ

صبح ۷ بجے بھوپال پہنچے۔

ٹکٹ ارزد از علیگڑھ تا آگرہ —— [illegible]
ٹکٹ ارزد از آگرہ تا بھوپال —— [illegible]
~~~~~~~~~~

INDIAN POSTS AND TELEGRAPHS DEPARTMENT.

C.

SRO NOTICE 1/1

This form must accompany any inquiry made respecting this Telegram.

Vall

Charges to Rs.

Handed in at (Office of Origin). Indore | Date 1 | Hour 12 | Minute 15

Service Instructions.

Office Stamp 1 MAR 37

TO

Recd. here at 12 H. 27

Mother of Mammoo Imamigate Bhopal daughter both doing well

= Masood

۷۸۶

نورچشم ممنون حسن خاں کی تقریب نکاح بتاریخ ۲۷ مئی سنہ ۱۹۴۰ء

بوقت چھ بجے شام بمقام موتی مسجد قرار پائی ہے۔ جناب سے درخواست

ہے کہ از راہ غریب نوازی شرکت فرما کر اس عاجزہ کو موقع شکر گذاری

عطا فرمائینگے۔

المکلف ــــــــــــــــــــ

والدہ ممنون حسن خاں پرسنل اسسٹنٹ عالیجناب مشیر المہام صاحب بہادر

روبکاری خاص و تعلیمات وغیرہ

عزت مآب پروفیسر اخلاق اثر کی خدمت میں

By Akhlaq Bar.

Wish You

Happy

New Year

عید مبارک

اللہ آپ کو اجر عظیم دے اخلاق اثر

محمد ... 2/4/74

ممنون حسن خاں

صدر کل ہند علامہ اقبال ادبی مرکز بھوپال

۲۶ اپریل ۱۹۹۰ء

سراپا اخلاق بھائی جناب عالی قدر

محترم ڈاکٹر اخلاق اثر صاحب کی خدمت عالی میں

Personal

سلام خلوص و اللہ کرے عالی نسب صاحب خلق عظیم حضرت مآب

پروفیسر اخلاق اثر جی۔

صادق منزل - جیل امام باڑہ

کیف بھوپالی

سید عابد علی وجدی الحسینی

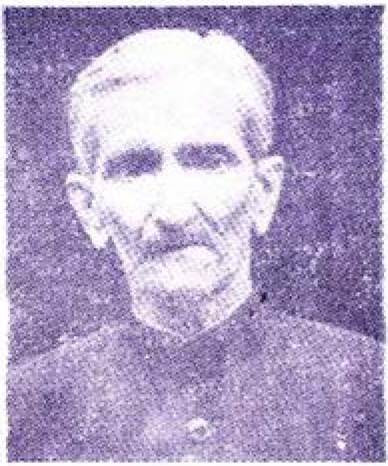

جناب سید علی حسین

عبدالحلیم انصاری

اقبال حسین خاں

"اقبال اور شیش محل" کی رسم رونمائی

بدست جناب یشونت ارگرے

(دائیں سے بائیں) جناب ممنون حسن خاں، جناب یشونت ارگرے، جناب احمد، جناب
محمد عزیز، جناب خلیق صدیقی، جناب نذیر الدین مجددی، پروفیسر حیدر عباس رضوی
جناب عمر انصاری درمیان میں اخلاق اثر مقالہ پڑھتے ہوئے اقبال لائبریری بھوپال)

"اقبال نامے" کی رسم رونمائی بدست جناب ارجن سنگھ

دائیں سے بائیں: — جناب آفاق احمد، جناب مسنون حسن خاں، جناب ارجن سنگھ، جناب عزیز قریشی، ڈاکٹر اخلاق اثر

کھڑے ہوئے (دائیں سے بائیں) ڈاکٹر شارب ردولوی، جناب اختر سعید خاں، پروفیسر خواجہ احمد فاروقی
پروفیسر ظہیر احمد صدیقی، پروفیسر قاسم نیازی، پروفیسر محمد حسن، پروفیسر قمر رئیس اور ڈاکٹر عبدالماجد۔
(کرسی پر) اقبال کے ایکریان اور اخلاق اثر کے ممدوح اقبال ادبی مرکز کے صدر نشین جناب ممنون حسن خاں۔

اقبال نامے (طبع ثانی)

"اب آپ نے پہلے ایڈیشن سے بہت بہتر یہ دوسرا ایڈیشن شائع فرمایا ہے جس میں آپ نے خطوط کی چھان بین بڑی محنت سے کی ہے اور بڑی ایمانداری سے حقیقت کو پیش کیا ہے۔ ایک بہت معمولی اردو داں کی حیثیت سے میں آپ کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔"

ممنون حسن خاں